گھر والے
اور
در والے
تالیف
قاری ظہور احمد فیضی

انتساب

"گھروالے اور دروالے" یہ بہترین جملہ میری معلومات کے مطابق پاک وہند میں سب سے پہلے قطبِ گولڑہ اعلیٰ حضرت سیدنا پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے لختِ جگر حضرت علامہ پیر سید نصیر الدین نصیر رحمۃ اللہ علیہ کی زبان سے سنا گیا، اِس لیے راقم الحروف کے نزدیک اِس رسالہ کا انتساب اُن سے کرنا سب سے زیادہ مناسب ہے۔ ہر چند کہ مجھے پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی حیات میں اُن سے ملاقات کا شرف حاصل نہیں ہوسکا اور میری کتاب "شرح خصائص علي رضی اللہ عنہ" بھی اُن کے وصال کے بعد منظر عام پر آئی۔ چونکہ "شرح خصائص علي رضی اللہ عنہ" 2010ء میں شائع ہوئی تھی اور پیر صاحبؒ کا سالِ وصال 2009ء ہے، تاہم اُمید ہے کہ اِس انتساب سے مجھ گنہگار کی روح کو اُن کی مبارک روح سے ملاقات کا شرف حاصل ہو جائے گا اور وہ اِس انتساب سے خوش ہو جائیں گے اور اُن کی خوشی اُن کے آباواجداد کی خوشنودی کا سبب بن جائے گی اور اِس بہانے میری آخرت سنور جائے گی۔

❀❀❀

تقدیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى مُحَمَّدٍ سَيِّدِ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ وَعَلٰى آلِهِ الطَّيِّبِيْنَ الطَّاهِرِيْنَ الْمُطَهَّرِيْنَ وَأَصْحَابِهِ الْمُخْلَصِيْنَ وَمَنْ تَبِعَهُمْ بِإِحْسَانٍ إِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ.

جب لفظ اندر اور باہر، داخل و خارج اور اندرون و بیرون بولا جائے تو ذہن میں فوراً ایک حدِّ فاصل کا تصور آتا ہے اور اُس حدِّ فاصل کو باب، دروازہ اور در کہتے ہیں۔ در سے اندر کی طرف گھر ہوتا ہے اور در سے خارج کو باہر کہتے ہیں۔ لفظ گھر مالکیت اور ملکیت سے بھی کنایہ ہوتا ہے۔ چنانچہ رضا بریلویؒ فرماتے ہیں۔

ہوتے کہاں خلیل، وبنا کعبہ و منیٰ
لولاک والے! صاحبی سب تیرے گھر کی ہے
ماں دونوں بھائی بیٹے بھتیجے عزیز دوست
سب تجھ کو سونپے مِلک ہی سب تیرے گھر کی ہے

ذرا غور فرمایئے! پہلے شعر کے دوسرے مصرع میں لفظ ''صاحبی'' کے ساتھ لفظ ''گھر'' ملکیت پر دلالت کر رہا ہے، اور دوسرے شعر کے مصرع ثانی میں لفظ ''مِلک'' کے ساتھ لفظ گھر تو اِس مفہوم کو مزید واضح کر رہا ہے۔ اسی حقیقت کے پیشِ نظر شیخین کریمین رضی اللہ عنہما کو حسنین کریمین علیہما السلام نے فرمایا تھا کہ ہمارے منبر سے اُترو اور اپنے باپ کے منبر پر چلے جاؤ، جیسا کہ یہ واقعہ آگے باحوالہ آئے گا۔

لفظ ''گھر'' کے برعکس لفظِ ''در'' کچھ بُعدیت کے ساتھ ساتھ طفیلیت پر دلالت

کرتا ہے۔ چنانچہ رضا بریلویؒ ہی فرماتے ہیں۔

مجرم بلائے آئے ہیں جَـــاءُ وْکَ ہے گواہ

پھر رَد ہو، کب یہ شان کریموں کے در کی ہے

پہلے مصرع میں لفظِ ''مجرم'' اور دوسرے مصرع میں لفظِ ''در'' کے استعمال میں غور کیا جائے تو طفیلیت کا معنیٰ واضح ہوتا ہے۔ لفظِ ''در'' کو اسی مفہوم میں رضا بریلویؒ نے ایک اور مقام پر یوں ادا فرمایا ہے۔

اغنیا پلتے ہیں در سے، وہ ہے باڑا تیرا

اصفیا چلتے ہیں سر سے وہ ہے رستا تیرا

باڑا کا معنیٰ ہے خیرات، اگر اِس کو لفظِ در سے ملا کر غور فرمائیں تو طفیلیت کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے۔ اسی طرح حسب ذیل شعر میں بھی دو مرتبہ لفظِ ''در'' اسی معنیٰ کی غمازی کرتا ہے۔

تجھ سے در، در سے سگ، اور سگ سے ہے مجھ کو نسبت

میری گردن میں بھی ہے دُور کا ڈورا تیرا

سو جس طرح اندرونِ در اور بیرونِ در میں فرق مسلَّم ہے اسی طرح اندرونِ در والوں اور بیرونِ در والوں میں بھی فرق مسلَّم ہے۔ چنانچہ مشاہدہ گواہ ہے کہ اگر کسی کو درِ کعبہ اور درِ روضہ مقدسہ سے اندر جانے کا موقع مل جائے تو وہ اُس کی بہ نسبت خوش نصیب سمجھا جاتا ہے جس کو وہ سعادت نصیب نہ ہوئی ہو، لہٰذا جب یہ فرق مسلَّم اور معقول ہے تو گھر والوں اور در والوں کے مابین فرقِ مراتب غیر مسلَّم اور نامعقول کیونکر ہو سکتا ہے؟ لیکن: اَللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ.

❀❀❀

❀❀

گھر والے اور در والے

ایک عرصہ سے ہندوپاک کے اہل ایمان کے ہاں یہ جملہ "گھر والے اور در والے" محاورے کی شکل اختیار کر چکا ہے۔ اِس جملے کے پہلے حصے "گھر والے" سے اُن کی مراد اہل بیت کرام علیہم السلام ہیں اور دوسرے حصے "در والے" سے صحابہ کرام ﷺ مراد ہیں۔ دراصل اِن محبان کا مطلب یہ ہے کہ اہل بیت اور غیر اہل بیت برابر نہیں لیکن وہ اِس مفہوم کو مذکورہ بالا الفاظ میں ادا کرتے ہیں۔ اِس جملہ سے بعض لوگوں کو تکلیف پہنچنے لگی ہے اور بعض لوگوں کی تو یہ چڑ بن چکا ہے اور اُنہوں نے آگ بگولہ ہوکر کہنا شروع کر دیا ہے کہ "یہ رافضیت ہے، جہالت ہے، ضلالت ہے، شقاوت ہے اور حماقت ہے"۔ کم از کم اتنا تو غور کیا جاتا کہ جن کو در والے کہا جا رہا ہے تو آخر وہ کس دربار کے در والے ہیں؟ ظاہر ہے کہ وہ دربارِ رسالت اور کاشانۂ نبوت کے در والے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ مشائخ عظام اور کسی ادارہ کے سربراہان کے گھر والے اگرچہ بے علم اور نا اہل ہوں تو تب بھی اُنہیں پڑھے لکھے مریدین اور ادارہ کے ممبران و کارکنان پر فوقیت دی جاتی ہے۔ یہ برتری دینی، دنیوی اور سیاسی تمام شعبہ ہائے زندگی میں اِس قدر واضح ہے کہ سادہ سے سادہ آدمی کو بھی نظر آ جاتی ہے۔ سو جب ہمارے معاشرہ میں نا اہل گھر والوں کو اہل در والوں پر ہر جگہ برتری دی جاتی ہے تو پھر نبی کریم ﷺ کے اُن گھر والوں کو فوقیت دینے پر کسی کو کیوں تکلیف ہوتی ہے جو ہر لحاظ سے اہل، لائق، فائق، اعلیٰ اور برتر تھے۔ حیرت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس گھرانے کے چار پانچ سال کے غیر مکلف بچوں کو جنت کی سرداری کے لیے اہل، لائق اور فائق جانا کچھ لوگ اُسی گھرانے کی ہستیوں کو در

والوں سے برتر کہنے پر برا مناتے ہیں۔ اِس کا مطلب تو یہ ہے کہ ایسے لوگ فیصلۂ الٰہی پر بھی راضی نہیں ہیں۔

گھر والے افضل یا در والے؟

بہر حال اہل ایمان اِس مختصر جملہ کو اہل بیت "گھر والوں" کی صحابہ "در والوں" پر افضلیت کے ارادہ سے استعمال کرتے ہیں اور جو لوگ چڑتے ہیں تو فقط اِس وجہ سے چڑتے ہیں کہ یہ مختصر سا جملہ جہاں اپنے اندر سمندر سموئے ہوئے ہے وہیں اتنا آسان ہے کہ مجھ ایسے عام اور گنوار (پینڈو) آدمی پر بھی معنوی اثر چھوڑ جاتا ہے۔ ہر چند کہ اردو کے لحاظ سے بعض لوگوں کو یہ نئی اختراع محسوس ہوتی ہے مگر در حقیقت یہ بات کتاب وسنت سے ثابت ہے کہ گھر والوں پر در والوں کو قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ آیئے! ہم آپ کے سامنے اِس جملے "گھر والے اور در والے" کی حقیقت کتاب وسنت اور اقوالِ اہل سنت کی روشنی میں بیان کرتے ہیں۔ امام احمد بن حنبل کے فرزند عبد اللہ بن احمد بن حنبل ﷺ بیان کرتے ہیں:

سَأَلْتُ أَبِيْ ، قُلْتُ : مَنْ أَفْضَلُ النَّاسِ بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ ؟ قَالَ : أَبُوْبَكْرٍ . قُلْتُ: يَا أَبَتِ ثُمَّ مَنْ ؟ قَالَ: عُمَرُ . قُلْتُ: يَا أَبَتِ ثُمَّ مَنْ ؟ قَالَ : عُثْمَانُ ، قُلْتُ : يَا أَبَتِ فَعَلِيٌّ ؟ قَالَ: يَا بُنَيَّ عَلِيٌّ مِنْ أَهْلِ بَيْتٍ لَا يُقَاسُ بِهِمْ أَحَدٌ.

"میں نے اپنے ابا سے سوال کیا، میں نے عرض کیا: رسول اللہ ﷺ کے بعد سب لوگوں سے کون افضل ہے؟ فرمایا: ابو بکر۔ میں نے عرض کیا: ابا جان پھر کون؟ فرمایا: عمر۔ میں نے عرض کیا: ابا جان پھر کون؟ فرمایا: عثمان۔ میں نے عرض کیا تو علی؟ فرمایا: بیٹا! علی اہل بیت (گھر

والوں) سے ہیں اُن پر کسی کو قیاس نہیں کیا جا سکتا"۔(۱)

امام احمد بن حنبلؒ کے کلام کے اول حصے پر کلام

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کا اول حصہ "ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: عُثْمَانُ" تک اگر ترتیبِ خلافت کے مطابق ہوتا تو قابل فہم ہوتا لیکن چونکہ یہ ترتیب افضلیت کے مطابق ہے اِس لیے یہ حصہ ہماری سمجھ سے بالاتر ہے، کیوں؟ اِس لیے کہ قرآن مجید میں واضح طور پر آیا ہے:

وَالسَّابِقُوْنَ السَّابِقُوْنَ. أُولٰئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ. [الواقعة: ١٠، ١١]

"اور جو سبقت لے گئے وہ تو سبقت ہی لے گئے، وہی مقرب بارگاہ ہیں"۔

ایک اور مقام پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ أُولٰئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ. [الحديد: ١٩]

"اور وہ جو ایمان لائے اللہ اور اُس کے رسولوں پر وہی صدیقین ہیں"۔

سو جس کو ایمان و تصدیق میں سبقت حاصل ہو تو وہ صدیقیت میں اپنے سے مؤخر سے افضل ہوتا ہے اور وہ اُس کی بہ نسبت بڑا صدیق ہوتا ہے۔ سو چونکہ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے تقریباً پانچ ساڑھے پانچ برس قبل سبقتِ ایمانی اور تصدیقِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سعادت نصیب ہو چکی تھی اور وہ عمر میں بھی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے کم و بیش چودہ پندرہ سال بڑے تھے، لہٰذا اُن پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو فضیلت دینا اُن کے پانچ برس قبل ایمان لانے کی سبقت کو اور اُن کی گونا گوں عبادات کے ثواب کو نظر انداز کرنے کے مترادف ہے، اور چونکہ یہ کتاب و سنت کے ظاہر کے خلاف ہے، لہٰذا ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔ پھر

---

(۱) الجامع لعلوم الإمام أحمد ج ٤ ص ٣٤٧؛ مناقب الإمام أحمد بن حنبل، لابن الجوزي ص ٢١٢۔

چونکہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ غنی اور سخی بھی تھے، لہٰذا اگر مکی زندگی میں جہاد نہیں تھا تو مسلمانوں پر انفاق تو ہوتا ہوگا، اِس لحاظ سے بھی اُن پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو فضیلت دینا ﴿ لَا يَسْتَوِي مِنكُم مَّنْ أَنفَقَ مِن قَبْلِ الْفَتْحِ " [الحديد: ۱۰] کے خلاف ہے۔ خود سوچئے کہ ایک طرف جو پانچ سال سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کفر میں بسر کر رہے تھے تو دوسری طرف وہی پانچ سال سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اسلام میں بسر کر رہے تھے۔ اِس صورتِ حال میں تو سیدنا عمر و عثمان رضی اللہ عنہما کو فضیلت میں برابر قرار دینا بھی قرآن مجید کے خلاف ہے، چہ جائیکہ پانچ برس تاخیر سے اسلام لانے والے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اُن سے افضل کہا جائے۔

چلئے سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ پر مولیٰ علی علیہ السلام کی ایمانی تقدیم کو تو اُن کے لڑکپن کی بھینٹ چڑھا دیا جاتا ہے اور مولیٰ علی علیہ السلام کو ایمان و نماز میں مقدم ہونے کے باوجود صدیق اصغر لکھا جاتا ہے، اگرچہ سنن ابن ماجہ وغیرہ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے صدیق اکبر ہونے کی تصریح آئی ہے، لیکن سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ تو بچے نہیں تھے، وہ تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے تقریباً پندرہ برس بڑے تھے، کیونکہ اُنہیں جب سعادتِ ایمان نصیب ہوئی تھی تو وہ تقریباً چونتیس برس کے تھے، تو اُن پر کیوں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو فضیلت دی جاتی ہے؟ آخر کتاب وسنت کے ظاہر کے خلاف جانے کی ضرورت ہی کیوں پیش آئی؟

ہاں اگر اِن دونوں حضرات کے ایمان اور اعمال میں [Quality] اور [Quantity] کا معاملہ ہو تو پھر دیکھا جائے گا کہ قولِ افضلیت کی اِس ترتیب کا تعلق اُن دونوں کے خلافت سنبھالنے سے پہلے سے ہے یا بعد سے؟ اگر اِس افضلیت کا تعلق پہلے سے کہا جائے تو پھر اِس پر نقل کی ضرورت ہے اور اگر بعد سے جوڑا جائے تو پھر وہ نظریہ باطل ہو جائے گا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ترتیبِ افضلیت کے مطابق ترتیبِ خلافت کی بنیاد رکھی تھی۔ یہاں اور بھی بہت کچھ کہنے کو ہے لیکن پھر کبھی۔

امام احمدؒ کے کلام کے دوسرے حصہ پر اتفاق

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کا دوسرا حصہ یہ ہے:

يَا بُنَيَّ عَلِيٌّ مِنْ أَهْلِ بَيْتٍ لَا يُقَاسُ بِهِمْ أَحَدٌ.

''بیٹا! علی اہلِ بیت (گھر والوں) سے ہیں اُن پر کسی کو قیاس نہیں کیا جا سکتا''۔

یہ جملہ بے غبار ہے، اِس لیے کہ اِس میں فضلِ الٰہی کی طرف اشارہ ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے جس کو چاہتا ہے نوازتا ہے، جیسا کہ سید العالمین ﷺ کی امت کو دوسری امتوں پر فضیلت بخشی ہے۔ چنانچہ ایک حدیث قدسی میں اِس امت کی افضلیت میں تین مزدوروں کی مثال پیش فرمائی گئی ہے۔ یہودی، عیسائی اور محمدی۔ یہودی نے فجر سے ظہر تک کام کیا، عیسائی نے ظہر سے عصر تک اور محمدی نے عصر سے مغرب تک۔ گویا پہلے نے سات گھنٹے، دوسرے نے چار اور تیسرے نے ڈیڑھ گھنٹہ کام کیا۔ اولین دو کو ایک ایک قیراط اُجرت دی گئی اور تیسرے کو دو قیراط۔ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں:

فَغَضِبَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارىٰ ، فَقَالُوْا : نَحْنُ أَكْثَرُ عَمَلًا وَأَقَلُّ عَطَاءً ، قَالَ اللّٰهُ : هَلْ ظَلَمْتُكُمْ مِنْ حَقِّكُمْ شَيْئًا ؟ قَالُوْا : لَا ، قَالَ: فَإِنَّهُ فَضْلِي أُعْطِيْهِ مَنْ شِئْتُ.

''اِس پر یہود و نصاریٰ غضبناک ہو کر کہنے لگے: ہمارا کام زیادہ ہے اور مزدوری کم۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا میں نے تمہارے حق سے کچھ کم کیا ہے؟ اُنہوں نے کہا: نہیں، فرمایا: پھر یہ میرا فضل ہے میں عطا کرتا ہوں جسے چاہتا ہوں''۔(۱)

اِس تیسرے شخص کو اگر قیراط کا آدھا حصہ یعنی پچاس پیسے بھی دیے جاتے تو پھر

---

(۱) بخاري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب: ۵۰، ۵۱، ص ۴۷۳ ح: ۳۴۵۹۔

بھی اولین دو مزدوروں سے اس کی اجرت زیادہ ہوتی۔ یہ ہے محمدی کی دوسری امتوں پر برتری مگر یادر کھنا بے شک اُسے زیادہ دیا گیا ہے مگر دیا تب ہے جب اُس نے اپنا کام پورا کیا ہے، گویا یہ محمدی شخص پر اللہ ﷻ کا فضلِ جزائی اور اکتسابی ہے لیکن اِسی امت میں ایک مخصوص گھرانہ ایسا بھی ہے جسے کچھ کرنے سے پہلے دو گنا یا سہ گنا جزا نہیں دی گئی بلکہ سب کچھ کا مالک بنا دیا گیا۔ دنیا، آخرت، حوض، الکوثر اور جنت کی سرداری سب کچھ اُن کا۔ اِس لیے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کا دوسرا حصہ نہ صرف یہ کہ بے غبار ہے بلکہ کتاب وسنت کے مطابق ہے کہ اہل بیت پر کسی کو قیاس نہ کیا جائے۔ اسی حقیقت کو شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ نے یوں بیان فرمایا ہے:

فَلا تَعْدِلْ بِأَهْلِ الْبَيْتِ خَلْقاً فَأَهْلُ الْبَيْتِ هُمْ أَهْلُ السِّيَادَةِ

”سو تم اہل بیت (گھر والوں) کے برابر کسی مخلوق کو نہ سمجھو، گھر والے ہی اہلِ سیادت ہیں“۔(۱)

”لَا یُقَاسُ بِهِمْ أَحَدٌ“ کے مزید شواہد

جو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے متعدد احادیث میں وہی کچھ آیا ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ایک شخص نے اُن سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق دریافت کیا تو اُنہوں نے اُن کے متعلق تو تفصیل سے جواب دیا اور کچھ اشکالات کو رفع کیا، لیکن جب سائل نے سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے متعلق پوچھا تو اُنہوں نے یوں مختصر سا جواب دیا:

لَا تَسَلْ عَنْهُ، إِلَّا قُرْبَ مَنْزِلَتِهِ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ.

”اُن کے متعلق مت پوچھو، ماسوا رسول اللہ ﷺ سے اُن کی منزلت

---

(۱) الفتوحات المکیۃ ج۷ ص ۲۵۵، ۲۵۶، وط: ج۷ ص ۲۰۵۔

(رتبہ یا گھر) کی قربت کے"۔(۱)

یعنی رسول اللہ ﷺ سے اُن کی قربت ہی تمام فضائل پر بھاری ہے۔ بعض

مرتبہ اُنہوں نے یوں جواب دیا:

لَا تَسْئَلْ عَنْ عَلِيٍّ ، وَلٰكِنِ انْظُرْ إِلٰى بَيْتِهٖ مِنْ بُيُوْتِ النَّبِيِّ ﷺ.

"تم علی کے متعلق مت پوچھو، لیکن تم رسول اللہ ﷺ کے گھروں میں اُن کے گھر کو دیکھو"۔(۲)

ایک حدیث پاک میں ہے:

لَيْسَ فِي الْمَسْجِدِ بَيْتٌ غَيْرُ بَيْتِهٖ.

"مسجد میں اُن کے گھر کے علاوہ کوئی گھر نہیں"۔(۳)

بعض احادیث میں ہے کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

أَمَّا عَلِيٌّ فَلَا تَسْأَلُوْنِي عَنْهُ ، اُنْظُرُوْا إِلٰى مَنْزِلِهٖ مِنْ

---

(۱) السنن الكبرىٰ للنسائي ج۷ص٤٤٦ ح:٨٤٣٥،وط:ج۸ص٥١٩ ح: ٨٦٣٤؛المصنف لعبدالرزاق ج٥ص٣١١،٣١٢ ح:٩٨٢٩؛فضائل الصحابة ج٢ص٧٣٦ ح:١٠١٢؛ المعجم الأوسط ج٢ص٣٨ ح:١١٦٦؛ مجمع البحرين ج٣ص٣٧٤ ح: ٣٦٨٤؛مجمع الزوائدج٩ص١١٥ ح: ١٤٦٧٥۔

(۲) السنن الكبرىٰ للنسائي ج۷ص ٤٤٧ ح:٨٤٣٨،وط:ج۸ص ٥٢٠ ح:٨٦٣٧؛خصائص علي ص١٢٣ ح :١٠٧۔

(۳) السنن الكبرى للنسائي ج ۷ص٤٤٦، ٤٤٧ ح: ٨٤٣٧، وط: ج۸ ص٥٢٠ ح:٨٦٣٦؛خصائص علي بتحقيق البلوشي ١٢٣ ح:١٠٦۔

ﷺ کے گھر سے اُن کے گھر کو دیکھو، بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے مسجد کی طرف ہمارے گھروں کے دروازے بند کردیے اور اُن کے دروازہ کو مقرر رکھا"۔(۱)

بخاری شریف میں ہے:

ثُمَّ سَأَلَهُ عَنْ عَلِيٍّ ، فَذَكَرَ مَحَاسِنَ عَمَلِهِ ، قَالَ : هُوَ ذَاکَ بَيْتُهُ ، أَوْسَطُ بُيُوتِ النَّبِيِّ ﷺ.

"پھر سائل نے اُن سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے متعلق دریافت کیا تو اُنہوں نے اُن کے اعمال کی خوبیاں بیان کرتے کرتے فرمایا: وہ دیکھو اُن کا بیت (گھر) بیوتِ نبی ﷺ کے وسط میں"۔(۲)

اہل بیت اور صحابہ دو اِصطلاحیں

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے مذکورہ بالا تمام جوابات سے معلوم ہوا کہ اُن کے نزدیک گھر والے مسئلہ افضلیت کی بحث سے مستثنیٰ تھے، ورنہ سائل کو یہ فرمانے کی آخر کیا ضرورت تھی کہ "اُن کے متعلق مت پوچھو بلکہ یہ دیکھو کہ اُن کی رہائش کہاں ہے؟

"دراصل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں "اہل بیت" (گھر والے) اور غیر اہل بیت (در والے)

---

(۱) تهذيب الكمال ج۲۲ ص۵۲۹؛ مجمع الزوائد ج۱۸ ص۲۵۱ ح: ۱٤٦٧٧۔

(بخاري: كتاب فضائل أصحاب النبي ﷺ، باب مناقب علي بن أبي طالب رضي الله عنه ص۵۰۵ ح:۳۷۰٤۔

الگ الگ دو اصطلاحیں تھیں۔ چنانچہ اُم المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نبی کریم ﷺ کے اخلاق عالیہ کے بیان میں فرماتی ہیں:

مَا كَانَ أَحَدٌ أَحْسَنَ خُلُقًا مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ، مَا دَعَاهُ أَحَدٌ مِنَ الصَّحَابَةِ وَلَا مِنْ أَهْلِ بَيْتِهٖ إِلَّا قَالَ : لَبَّيْكَ ، فَلِذٰلِكَ أَنْزَلَ اللّٰهُ ﷻ: ﴿وَإِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ﴾.

”رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر کسی بھی انسان کا خُلق اچھا نہیں تھا، آپ کو صحابہ اور آپ کے گھر والوں میں سے کوئی بھی بلاتا تو آپ فرماتے: لَبَّیْکَ (میں حاضر ہوں) اسی لیے اللہ ﷻ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿اور یقیناً آپ عظیم خُلق پر پیدا ہوئے﴾“۔(۱)

معلوم ہوا کہ اہل بیت عظام (گھر والے) اور غیر اہل بیت (در والے) دو الگ الگ اصطلاحیں تھیں، اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے جس مفاضلہ کا ذکر کیا ہے وہ ”گھر والوں“ اور ”در والوں“ کے مابین نہیں تھا بلکہ فقط غیر اہل بیت ”در والوں“ کے درمیان تھا۔ جب آپ پر یہ دو اصطلاحیں واضح ہو گئیں تو آیئے ذرا اب ابن عمر رضی اللہ عنہما کے قول کو غور سے پڑھیے! وہ فرماتے ہیں:

كُنَّا فِيْ زَمَنِ النَّبِيِّ ﷺ لَا نَعْدِلُ بِأَبِيْ بَكْرٍ أَحَداً ، ثُمَّ عُمَرَ ، ثُمَّ عُثْمَانَ ، ثُمَّ نَتْرُكُ أَصْحَابَ النَّبِيِّ ﷺ لَا نُفَاضِلُ بَيْنَهُمْ.

”نبی کریم ﷺ کے زمانے میں ہم سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے برابر کسی کو نہیں

---

(۱) أخلاق النبي لأبي حيان ج۱ ص۷۵ ح:۲؛ أسباب النزول للواحدي ص۴۴۳؛ دلائل النبوة لأبي نعيم ص۱۸۱ ح:۱۱۹؛ الدر المنثور ج۱۴ ص۶۲۲؛ الاستيعاب في بيان الأسباب ج۳ ص۴۵۲۔

سمجھتے تھے، پھر سیدنا عمر پھر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہما کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے تھے، پھر ہم نبی کریم ﷺ کے صحابہ کو چھوڑ دیتے تھے، اُن کے مابین مفاضلہ نہیں کرتے تھے"۔(۱)

اگر آپ اِس حدیث کو مذکور الصدر احادیث سے ملا کر غور فرمائیں تو یقیناً اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک سیدنا علی رضی اللہ عنہ مفاضلہ وموازنہ کی بحث سے مستثنیٰ تھے، کیونکہ وہ در والوں سے نہیں بلکہ اہل بیت (گھر والوں) میں سے تھے۔ صحابی ہونا الگ فضیلت ہے اور اہل بیت سے ہونا الگ فضیلت ہے۔ اہل بیت کے کسی فرد میں یہ دونوں فضیلتیں جمع ہوسکتی ہیں مگر غیر اہل بیت میں سے کسی صحابی میں یہ دونوں فضیلتیں جمع نہیں ہوسکتیں، خواہ وہ نبی کریم ﷺ کا سالہ ہو یا سسر۔

جدید وقدیم نواصب میں قدرِ مشترک

نواصب و بنوامیہ کے پیدا کردہ جن اشکالات کا ہمارے علماء آج تک شکار ہیں، اُن اشکالات کو بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حل کر دیا تھا لیکن بد قسمتی ہے کہ ہر دور کے نواصب اُن اشکالات کو اپنے اپنے انداز میں چلاتے رہتے ہیں اور اپنے آباء کے عقائدِ فاسدہ کو زندہ رکھنے کی کوشش میں رہتے ہیں۔ چنانچہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کی مذکورہ بالا حدیث سے پیدا کردہ اشکال پر امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند بھی پریشان ہوئے تھے تو اُن کے والد گرامی نے اُنہیں اہل بیت اور صحابہ کی جداگانہ اصطلاح کے ذریعے سمجھا دیا تھا کہ بیٹا "گھر والوں اور در والوں" میں فرق جان کر جیو۔ آیئے! ذرا باپ بیٹا کے سوال وجواب میں غور کرتے ہیں۔ امام عبداللہ بن احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

---

(۱) بخاري: كتاب فضائل أصحاب النبي ﷺ، باب مناقب عثمان بن عفان رضي الله عنه ص ۵۰۳ ح:۳۶۹۷۔

سَأَلْتُ أَبِي عَنْ حَدِيثِ ابْنِ عُمَرَ : كُنَّا إِذَا فَاضَلْنَا بَيْنَ أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ ﷺ قُلْنَا : أَبُوبَكْرٍ وَّعُمَرُ وَعُثْمَانُ ، فَقَالَ : هُوَ كَمَا قَالَ . قُلْتُ : فَأَيْنَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ ؟ قَالَ: يَا بُنَيَّ ! لَمْ يَقُلْ مِنْ أَهْلِ بَيْتِ رَسُوْلِ اللهِ.

''میں نے اپنے بابا سے ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اس حدیث کے متعلق پوچھا کہ ابن عمر ﷺ نے فرمایا: ہم جب رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام ﷺ کے مابین مفاضلہ کرتے تو کہتے: ابو بکر، عمر اور عثمان۔ فرمایا: ایسا ہی ہے جیسا کہ اُنہوں نے فرمایا۔ میں نے عرض کیا: پھر علی بن ابی طالب کہاں؟ فرمایا: بچہ! اُنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے گھر والوں کی بات نہیں کی''۔(۱)

چونکہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فقط صحابہ کا ذکر کیا ہے، جیسا کہ اُن کے الفاظ: ''ثُمَّ نَتْرُكُ أَصْحَابَ النَّبِيِّ ﷺ'' (پھر ہم نبی کریم ﷺ کے صحابہ کو چھوڑ دیتے تھے) سے ظاہر ہے، اسی لیے امام احمد ﷺ نے فرمایا: بیٹا! اُنہوں نے صحابہ کرام ﷺ کے مابین مفاضلہ کی بات کی ہے، اہل بیت اور صحابہ کے مابین تقابل کی بات نہیں کی۔

حدیثِ ابن عمر کی توضیح خود اُن سے

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے مختلف اقوال سے امام احمد بن حنبل ﷺ نے جو نتیجہ اخذ کیا ہے اُس کی تائید بعض آثار (اقوال صحابہ) اور احادیث نبویہ ﷺ سے بھی ہوتی ہے، حتیٰ کہ بعض آثار خود ابن عمر ﷺ سے بھی منقول ہیں۔ چنانچہ بعض اوقات جب وہ خلفاء ثلاثہ ﷺ کی فضیلت بیان کر چکے تو اُن سے سیدنا علی ﷺ کے متعلق سوال کیا گیا:

يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَانِ ! فَعَلِيٌّ ؟ قَالَ ابْنُ عُمَرَ : عَلِيٌّ مِنْ أَهْلِ الْبَيْتِ لَا يُقَاسُ بِهِمْ.

''اے ابوعبدالرحمان! پھر علی؟ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: سیدنا علی ﷛ گھر والوں سے ہیں اُن پر کسی کو قیاس نہیں کیا جا سکتا''۔(۱)

یہی حقیقت خود سیدنا علی ﷛ سے بھی منقول ہے۔ چنانچہ ابوالبختری بیان کرتے ہیں کہ سیدنا علی ﷛ نے ایک خطاب میں ارشاد فرمایا:

أَلَا إِنَّ خَيْرَ هٰذِهِ الْأُمَّةِ بَعْدَ نَبِيِّهَا أَبُوبَكْرٍ وَّعُمَرُ ، فَقَالَ: رَجُلٌ : وَأَنْتَ يَا أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ؟ فَقَالَ : نَحْنُ أَهْلُ الْبَيْتِ لَا يُوَازِيْنَا أَحَدٌ.

''یادرکھو! نبی کریم ﷺ کے بعد اس اُمت کی بہترین ہستیاں حضرات ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما ہیں، ایک شخص نے کہا: یاامیر المومنین اور آپ؟ فرمایا: ہم گھر والے ہیں ہمارے ساتھ کسی کا موازنہ نہیں ہوسکتا''۔(۲)

علامہ محب الطبری نے اس سلسلے میں ایک حدیث نبوی ﷺ بھی نقل کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

---

(۱) الرياض النضرة، الباب الرابع في مناقب أمير المؤمنين علي بن أبي طالب ﷛، الفصل السابع في أفضليته، ج۳ ص۱۸۰، دار الكتب العلمية۔

(۲) حلية الأولياء ج۷ ص۲۰۱، مارواه شعبة من الأحاديث النبوية من فضل الخلفاء الراشدين؛ تاريخ دمشق ج۳۰ ص۳۶۱؛ جمع الجوامع ج۱۱ ص۵۲ ح:۲۱۹ وج۱۳ ص۱۰۳ ح:۹۰۵۰؛ تقريب البغية للهيثمي ج۳ ص۷۴ ح:۳۲۲۱ ؛ سنن الأصفهاني ج۲ ص۵۲۶ ح:۲۳۶٤۔

عَنْ أَنَسٍ ﷺ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : نَحْنُ أَهْلُ بَيْتٍ لَا يُقَاسُ بِنَا أَحَدٌ.

''سیدنا انس ﷺ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہم گھر والے ہیں ہم پر کسی کو قیاس نہ کیا جائے''۔(۱)

ہر چند کہ سند کے لحاظ سے اِس حدیث میں کلام کی گنجائش ہے مگر جب اِس کا متن قرآن مجید سے مؤیّد ہے تو کسی قسم کی جرح کی گنجائش باقی رہتی نہیں۔ سورۃ الأحزاب کی آیت نمبر۳۲ میں اُمہات المومنین کی شان میں فرمایا گیا ہے کہ وہ دوسری عورتوں کی مانند نہیں ہیں، جبکہ اہل کساء علیہم السلام اُمہات سے بھی افضل ہیں، لہٰذا معلوم ہوا کہ اہل کساء علیہم السلام مفاضلہ (فضائل کے تقابل) سے مستثنیٰ ہیں۔ اُن کا اہل بیت ہونا ہی ماسوا نبوت کے تمام عظمتوں کو محیط ہے اور صحابیت اُس پر مستزاد ہے۔ اِس سلسلے میں دورِ حاضر کے اہل حدیث عالم، مسجد البدر نیویارک کے بانی وخطیب شیخ عبداللہ دانش حفظہ اللہ تعالیٰ کے یہ الفاظ بہت خوب ہیں، وہ لکھتے ہیں:

> ''خاندانِ نبوت کو اللہ نے دوہری شان نصیب کی ہے۔ ایک صحابی ہونے کی، دوسرا اہل بیت (گھر والے) ہونے کی، جبکہ دیگر تمام صحابہ دوسری فضیلت سے محروم ہیں۔ وہ صرف اکبری فضیلت صحابی ہونے

---

(۱) ذخائر العقبیٰ في مناقب ذوی القربیٰ ص ۴۹، وط: ج ۱ ص ۷۸؛ جمع الجوامع ج ۱۰ ص ۴۲۷ ح: ۲۳۷۶۵، حرف النون؛ کنوز الحقائق ج ۲ ص ۲۳۲؛ کنز العمال، الباب الخامس، في فضل أهل البيت، ج ۱۲ ص ۱۰۴ ح: ۳۴۲۰۱؛ فرائد السمطين ج ۱ ص ۴۵؛ ينابيع المودة ج ۲ ص ۶۸، ۸۳، ۱۱۴، ۱۱۷ و ج ۱ ص ۴۵۹۔

علیہم السلام فقط دوہری (دوگنا) فضیلت کے حامل نہیں بلکہ سہ گنا فضیلت کے حامل ہیں۔

وہ صحابی ہیں، پھر ہاشمی ہونے کی وجہ سے اہل بیت ہیں اور پھر اہل بیت کرام میں سے اہل کساء (چادر تطہیر والے) بھی ہیں۔

اہل کساء کے لیے ثبوتِ صحابیت کی کیا ضرورت؟

یاد رکھئے کہ افرادِ خانہ کے لیے صحبت ثابت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔ یہ جو کچھ لوگ حسنین کریمین علیہما السلام کی صحابیت اور عدم صحابیت کی بحث چھیڑ دیتے ہیں اور دوسری طرف سادہ لوگ اُن کی صحابیت کے ثبوت پیش کرنا شروع کر دیتے ہیں، اِس تکلف میں پڑنے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اِس لیے کہ اِس قسم کے ثبوت فراہم کرنے کا مطلب یہ بنتا ہے کہ ثبوت تلاش کرنے والا صحابیت کے ٹائٹل کو اہل بیت کے ٹائٹل سے افضل مان رہا ہے۔ ارے بھائی! جو گھر میں پیدا ہوا اور چھ سات سال تک آغوش میں، باہوں میں، بغل میں، چادر میں، کمر پر، سجدہ میں پشت پر رہا اور منبر پر گود میں رہا اُس کے لیے ثبوتِ صحبت کی ضرورت ہی کیا ہے؟

کسی ہستی کا اہل بیت سے ہونا ہی سب سے بڑی فضیلت ہے، لہٰذا حیاتِ نبوی ﷺ میں آپ کی ذریت کے جس فرد نے بھی جنم لیا اُس کی صحابیت کے ثبوت کی تلاش میں سرگرداں ہونا عقل مندی نہیں۔ جب وہ پہلے ہی جسمِ نبوی ﷺ کا حصہ ہے اور پھر پیدا ہوتے ہی اُسے آغوشِ نبوی ﷺ میسر آگئی تو اُس کے لیے اِس سے بڑھ کر اور کون سی صحبت ہو سکتی ہے؟ وہ ہر صحابی سے افضل ہے، لہٰذا اُس کی عظمت کے ثبوت لیے صحابیت

---

(١) متن أربعین إمام حسین رضی اللہ عنہ ص ٩٨۔

کے ٹائٹل پر دلائل تلاش کرنا بلاتشبیہ وتمثیل ایسا ہے جیسا کہ بطخ یا مچھلی کے بچے کی تیراکی پر ثبوت کے درپے ہونا۔

ہاں محدثین کے ہاں ایک اور زاویۂ نگاہ سے کسی کی صحابیت اور عدم صحابیت کی بحث ہوتی ہے اور وہ ہے کسی کا براہِ راست حدیث نبوی ﷺ کا راوی ہونا، اُس کے لیے اُن کے ہاں اُس کی عمر کے تعین اور بارگاہِ نبوی ﷺ میں اُس کی رسائی کے ہونے نہ ہونے پر بات ہوتی ہے، اور اگر کسی کو شرفِ باریابی حاصل ہوا تو کتنی بار ہوا وغیرہ امور زیر بحث آتے ہیں، لیکن یہ سارے جھنجھٹ غیر اہل بیت کے لیے ہوتے ہیں۔ اہل بیت کا کوئی ایسا فرد جس کو گھٹی کی سعادت بھی دستِ نبوی ﷺ سے میسر آئی ہو اُس کے لیے ثبوتِ صحبت تلاش کرنے کے درپے ہونا سادگی ہے۔ میں نے لفظِ سادگی اِس لیے استعمال کیا ہے کہ مجھے یقین ہے کہ سب سے پہلے حسنین کریمین علیہما السلام ایسی ہستیوں کی صحبت اور عدمِ صحبت کی بحث چھیڑنے والا شیطنت کا شکار ہوا، خواہ وہ کوئی ہو، اور بعد والے کچھ لوگ تو عمداً اُسی شیطنت کو چلاتے رہتے ہیں اور جو لوگ اُس شیطانیت کو بھانپ نہیں سکتے وہ سادگی سے ایسی ہستیوں کی صحبت کے ثبوتوں کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ.

میں سمجھتا ہوں: حسنین کریمین علیہما السلام کی صحابیت کی بحث چھیڑنے والے نے ایک تیر سے دو شکار کرنے کی کوشش کی ہے۔ ایک تو اُس نے صحابیت کے ٹائٹل کو اہل بیت کے ٹائٹل سے افضل باور کرانے کی کوشش کی ہے اور دوسرا اُس نے اہل بیت کرام علیہم السلام کو پست دِکھلانے کی کوشش کی ہے، لیکن اہل سنت کے علماءِ حق کی کاوشوں اور سابقین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال کی روشنی میں اُس مکار کی چالاکی پکڑی گئی۔

در والے، گھر والے، چادر والے

سورۃ الاحزاب کی آیت نمبر ۳۲ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

یَا نِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ إِنِ اتَّقَيْتُنَّ.

''اے نبی کی ازواج (مطہرات) نہیں ہو تم دوسری عورتوں میں سے کسی عورت کی مانند، بشرطیکہ تم پرہیز گاری اختیار کرو''۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ ازواج مطہرات کیوں دوسری خواتین کی طرح نہیں؟ اس لیے کہ وہ نبی کریم ﷺ کی ''گھر والیاں'' ہیں اور دوسری خواتین ''در والیاں'' ہیں۔ اِسی لیے لفظِ ''بُیُوت'' استعمال کرتے ہوئے ازواج مطہرات کو اُن کے مقام کی طرف یوں متوجہ کیا گیا:

وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ اٰيَاتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ.

''اور یاد رکھو جو پڑھی جاتی ہیں تمہارے گھروں میں اللہ کی آیات اور حکمت''۔(الأحزاب: ٣٤)

﴿مَا يُتْلٰى فِي بُيُوتِكُنَّ﴾ کے الفاظ سے ''گھر والیوں'' اور ''در والیوں'' کے مابین اُس فرق کی وجہ واضح کر دی گئی جو اوپر ﴿لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ﴾ (تم عورتوں میں سے کسی ایک کی مثل نہیں ہو) کے الفاظ میں بیان فرمائی گئی۔ اِن آیات نے بتا دیا کہ کاشانۂ نبوی ﷺ میں جس عورت کو شرفِ باریابی حاصل ہو گیا وہ دوسری عورتوں کی طرح نہیں رہی، لہٰذا کسی اُم المومنین کی ماں بھی اپنی بیٹی کے رتبہ کو نہیں

بھی برابر نہیں ہیں۔

افضل: گھر والے یا چادر والے؟

جب روشن ہو گیا کہ کاشانہ نبوی ﷺ کی خواتین و حضرات (گھر والے) اور بیرونِ گھر یعنی در والے برابر نہیں ہیں تو اب یہ بھی جان لیجئے کہ گھر کے اندر والے بھی سب برابر نہیں ہیں بلکہ اُن میں کچھ نفوس ایسے ہیں جنہیں نبی کریم ﷺ نے ایک کپڑے میں لے کر تمام گھر والوں سے جدا کر لیا اور خود کو بھی اُن میں شامل فرما لیا۔ چنانچہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

"ایک صبح کو رسول اللہ ﷺ باہر نکلے تو اُس وقت آپ کے جسم اقدس پر کالے بالوں سے بُنی ہوئی اونٹ کے کجاوے کی مانند منقش چادر تھی، پس حضرت حسن آئے تو آپ نے اُنہیں اُس میں لے لیا، پھر حسین آئے تو وہ بھی اُس میں داخل ہو گئے، پھر فاطمہ آئیں تو اُنہیں بھی داخل فرما لیا، پھر علی آئے تو اُنہیں بھی داخل فرما لیا، پھر یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا﴾ (اللہ تعالیٰ تو یہی چاہتا ہے کہ دور فرمادے تم سے پلیدی کو اے اہل بیت اور تمہیں خوب پاک کر دے)"۔ (۱)

---

(۱) صحیح مسلم: فضائل الصحابة، باب فضائل أهل بيت النبي ﷺ ص ۱۰۶۷ ح: ۶۲۶۱ [۲۴۲۴]؛ مسند إسحاق بن راهويه ج ۳ ص ۶۷۸ ح: ۱۲۷۱؛ المصنف لابن أبي شيبة ج ۱۷ ص ۱۱۷ ح: ۳۲۷۶۵؛ الجمع بين الصحيحين ج ۴ ص ۲۲۵ ح: ۳۴۳۵؛ المستدرك ج ۳ ص ۱۴۶ وط: ج ۴ ص ۱۲۷ ح: ۴۷۶۱؛ جامع المسانيد لابن الجوزي ج ۸ ص ۱۳۷ ح: ۷۲۰۰۔

اہل چادر کے لیے جو قربت مخصوص فرمائی گئی اُس میں سب گھر والے شامل نہیں بلکہ گھر کے بعض افراد کو اُن کی چاہت کے باوجود بھی شامل نہ کیا گیا۔ چنانچہ اس سلسلے میں بعض افرادِ خانہ کی شہادت موجود ہے۔ ام المومنین سیدتنا ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ جَلَّلَ عَلَى الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ وَعَلِيٍّ وَفَاطِمَةَ كِسَاءً، ثُمَّ قَالَ: اللّٰهُمَّ هٰؤُلَاءِ أَهْلُ بَيْتِي وَخَاصَّتِي، أَذْهِبْ عَنْهُمُ الرِّجْسَ وَطَهِّرْهُمْ تَطْهِيرًا. فَقَالَتْ أُمُّ سَلَمَةَ: وَأَنَا مَعَهُمْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: إِنَّكِ عَلٰى خَيْرٍ.

”نبی اکرم ﷺ نے سیدنا حسن، سیدنا حسین، سیدنا علی اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا پر چادر ڈالی، پھر فرمایا: اے اللہ! یہ میرے اہل بیت اور میرے خاص ہیں، ان سے پلیدی کو دور رکھ اور انہیں خوب پاک فرمادے۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے عرض کیا: یارسول اللہ میں بھی ان میں شامل ہوں؟ فرمایا: تم خیر پر ہو“۔ (۱)

اِس سے قبل امام ترمذی یہی حدیث کتاب التفسیر میں بھی ذکر کر چکے ہیں، اُس کے الفاظ اور زیادہ واضح ہیں۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا:

وَأَنَا مَعَهُمْ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ، قَالَ: أَنْتِ عَلٰى مَكَانِكِ وَأَنْتِ عَلٰى خَيْرٍ.

---

(۱) سنن الترمذي ج٦ ص١٧٣، ١٧٤ ح: ٣٨٧١؛ مسند أحمد ج٤٤ ص١١٨ ح:٢٦٥٠٨ وص ٢١٧ ح:٢٦٥٩٧؛ فضائل الصحابة للإمام أحمد ج٢ ص٧٢٦، ٧٢٧ ح:٩٩٤؛ شرح مشكل الآثار ج٢ ص٢٣٩ ح:٧٦٦؛ المعجم الكبير ج٢٣ ص٣٣٤ ح:٧٧٣۔

کے اہل کساء میں سے ہونے کا انکار کیا اور پھر فرمایا تم خیر پر ہو۔ چنانچہ وہ خود فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا:

وَأَنَا مِنهُمْ ، قَالَ : لَا ، وَأَنْتِ عَلَىٰ خَيْرٍ.

"اور میں بھی اِن میں سے ہوں، فرمایا: نہیں، اور تم خیر پر ہو"۔ (۲)

بعض احادیث میں ہے کہ ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا:

يَا رَسُولَ اللّٰهِ! أَنَا مِنْ أَهْلِ الْبَيْتِ ؟ فَقَالَ: إِنَّ لَكِ عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرًا ، فَوَدِدْتُ أَنَّهُ قَالَ: نَعَمْ ، فَكَانَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّا تَطْلُعُ عَلَيْهِ الشَّمْسُ وَتَغْرُبُ.

"یارسول اللہ! میں بھی آپ کے اہل بیت سے ہوں؟ فرمایا: تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں خیر ہے۔ پس میری خواہش تھی کہ فرماتے: نَعَمْ [ہاں] تو وہ مجھے اُن تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہوتا جن پر سورج طلوع اور غروب ہوتا ہے"۔ (۳)

ابن کثیر کے ہاں یوں الفاظ ہیں:

---

(۱) سنن الترمذي ج ٥ ص ٢٦٢، ٢٦٣ ح: ٣٢٠٥؛ شرح مشكل الآثار ج

فَقُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَأَنَا ؟ قَالَتْ: فَوَ اللّٰهِ مَا أَنْعَمَ ، وَقَالَ: إِنَّكِ إِلٰى خَيْرٍ.

''تو میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں بھی؟ فرماتی ہیں: پس اللہ کی قسم! آپ نے نَعَمْ نہ فرمایا، البتہ فرمایا: تم خیر کی طرف ہو''۔(۱)

بعض احادیث میں یہاں تک آیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اُن کے ہاتھوں سے چادر کے کونے کو کھینچ لیا۔ چنانچہ وہ خود فرماتی ہیں:

فَرَفَعْتُ الْكِسَاءَ لِأَدْخُلَ مَعَهُمْ ، فَجَذَبَهُ مِنْ يَدِيْ ، وَقَالَ: إِنَّكِ عَلٰى خَيْرٍ.

''سو میں نے چادر اٹھائی تا کہ میں اُن کے ساتھ داخل ہو جاؤں تو آپ ﷺ نے میرے ہاتھ سے چادر کھینچ لی اور فرمایا: تم بھلائی پر ہو''۔(۲)

ایسی ایک حدیث ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بھی ہے منقول ہے، اُس کے آخر میں ہے کہ ام المومنین نے عرض کیا:

يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَأَنَا مِنْ أَهْلِ بَيْتِكَ ؟ فَقَالَ تَنَحِّيْ ،

---

(۱) تفسیر ابن كثير ج٦ ص٤١٣؛ جامع البيان للطبري ج١٩ ص١٠٧۔

(۲) مسند أحمد ج٦ ص٣٢٣ وط: ج٤٤ ص٣٢٧، ٣٢٨ ح: ٢٦٧٤٦؛ فضائل الصحابة ج٢ ص٧٤٥ ح: ١٠٢٩؛ مسند أبي يعلىٰ ج١٢ ص٧٠٢٦ وص٣٤٤ ح: ٦٩١٢؛ شرح مشكل الآثار ج٢ ص٢٤٢ ح: ٧٦٩؛ المعجم الكبير ج١٠ ص٨٨ ح: ١٩٢٣١، وط: ج٢٣ ص٣٣٦ ح: ٧٧٩؛ الذرية الطاهرة للدولابي ص١٠٨ ح: ٢٠٢؛ الدر المنثور للسيوطي ج١٢ ص٣٨؛ تبيان القرآن للسعيدي ج٩ ص٤٤٢۔

فَاِنَّکِ عَلٰی خَیرٍ.

"یارسول اللہ! میں بھی آپ کے اہل بیت سے ہوں؟ تو فرمایا:

تم ایک طرف رہو، پس تم بھلائی پر ہو"۔(۱)

اِن تمام احادیث کے مختلف الفاظ میں غور کیا جائے تو گھر والوں میں سے پھر چادر والوں کا مقام وراء الوراء ہے۔ اتنا تو بلند ہے کہ امہات المومنین اُس میں شمولیت کی آرزو ہی نہیں فرماتی رہیں بلکہ گزارش کرتی رہیں، اور سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے تو یہاں تک فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ اُن کی عرض پر نَعَمْ فرما دیتے تو وہ اُنہیں اُن تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہوتا جن پر سورج طلوع وغروب ہوتا ہے۔

چادر والوں کے لیے مزید قربت

اب تک کی تفصیل سے معلوم ہوا کہ در والوں سے گھر والے خاص ہیں اور گھر والوں سے چادر والے خاص ہیں۔ اب ہم آپ کے سامنے چادر والوں میں سے سب سے بڑی ہستی کی ایسی قربت بیان کرتے ہیں جس قربت کا تعلق فقط رسالت مآب ﷺ کے بدن سے نہیں بلکہ آپ ﷺ کے من سے ہے، اور وہ بھی ایسے حال میں جب کسی کو بھی بارگاہِ نبوی ﷺ میں دم مارنے کی مجال نہ ہوتی۔ چنانچہ ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا غَضِبَ لَمْ يَجْتَرِئْ أَحَدٌ مِنَّا يُكَلِّمُهُ غَيْرُ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رضي الله عنه.

"نبی کریم ﷺ جب غضب ناک ہوتے تو ہم میں سے کوئی بھی آپ

(۱) تفسیر ابن أبي حاتم ج ۱۳ ص ۷۵؛ تفسیر ابن کثیر ج ٦ ص ٤١٤؛ ذخائر العقبیٰ [عن أم سلمة] ج ۱ ص ۱۰۸۔

مصطفیٰ، مرتضیٰ اور مخصوص وقتِ لقاء

یہ تو تھی سیدنا علی علیہ السلام کی بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حالتِ غضب میں رسائی کی خصوصیت، علاوہ ازیں خوشی اور فضل و رضا کی مخصوص خلوتوں میں بھی اُن کے علاوہ کسی دوسرے شخص کو رسائی حاصل نہ تھی۔ اربابِ وجدان و معرفت سے پوچھئے کہ اُن کے نزدیک چوبیس گھنٹوں میں سے سب سے بہتر، پُر کیف اور لذت آشنا لمحات کون سے ہیں؟ ایسی لذت جس کے سامنے دنیا و مافیہا کی پرکاہ کی حیثیت بھی نہ ہو۔ بقول دانائے راز؂

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دِل کو

عجب چیز ہے لذتِ آشنائی

(بالِ جبریل ص ۱۰۵)

آیئے! لذت و سرُور کے اِن لمحات کی شان خود خالقِ لیل و نہار جل جلالہ سے پوچھتے ہیں، وہ فرماتا ہے:

---

(۱) المستدرك ج۳ص۱۲۹، وط: دار الميمان ج٦ص١٤٦ ح: ٤٦٩٧؛ المعجم الأوسط ج٤ص٣١٨ ح: ٤٣١٤؛ حلية الأولياء ج٩ص٢٢٧؛ مجمع البحرين ج٣ص٣٧٨ ح: ٣٦٩٥؛ مجمع الزوائد ج٩ص١١٦ ح: ١٤٦٨٣؛ سنن الأصفهاني ج٢ص٥٧٢ ح: ٣٥٠٨؛ تقريب البغية للهيثمي ج٣ص٩٦ ح: ٣٢٨٨؛ الصواعق المحرقة ص١٢٣؛ الجامع الصغير للسيوطي ح: ٦٧٥٣؛ تاريخ الخلفاء للسيوطي ص١٣٢، ١٣٣؛ كنوز الحقائق للمناوي ج٢ ص٦٠ ح: ٧٥١٩؛ كنز العمال ج٧ص١٤١ ح: ١٨٤٠٥؛ درالسحابة للشوكاني ص ٢١٤، ٢١٥۔

إِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْأً وَأَقْوَمُ قِيلًا. [المزمل:٦]

''بے شک رات کا اُٹھنا [نفس کو] خوب روندتا ہے اور راز و نیاز کے لحاظ سے بہت خوب ہے''۔

چونکہ عارف کے لیے اِن لمحات سے بڑھ کر کوئی لمحہ نہیں ہوتا، اسی لیے نبی کریم ﷺ کے لیے اِن لمحات کو اضافی طور پر خاص کیا گیا اور فرمایا گیا:

وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ عَسٰى أَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا.

''اور رات کے ایک حصہ میں جاگا کرو، یہ خاص تمہارے لیے زیادہ ہے، قریب ہے کہ آپ کا رب آپ کو ایسے مقام پر کھڑا کرے جہاں سب آپ کی تعریف کریں''۔[بني إسرائيل:٧٩]

آخرت میں سب پر ترقی اور برتری کی آخری منزل مقام محمود ہوگی، اور اُس کا حصول موقوف ہے وقتِ سحر کے لمحات پر۔ کسی انسان کا ہدفِ ترقی جتنا بلند ہوتا ہے اُس کے حصول کے لیے جو وقت مختص ہوتا ہے وہ وقت بھی اُس انسان کے نزدیک اتنا ہی قیمتی ہوتا ہے۔ ہر ایک کے لیے مقام محمود (تعریف کا مقام) ہوتا ہے لیکن کوئی بھی وہاں تک رسائی حاصل نہیں کرسکتا جب تک کہ وہ اپنے وقت کے قیمتی لمحات اُس کے لیے خرچ نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ نے چونکہ بندوں کی ترقی کے لیے وقتِ سحر کو تیر بہدف بنایا ہے۔ اسی لیے دانائے راز رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا ؎

عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی!

(بال جبریل ص٥٦)

چونکہ اِن لمحات کی قدر و منزلت سے وہ مکمل آگاہ ہو چکے تھے اِس لیے دوسروں

کی ترغیب کے لیے اپنے معمولات کو یوں آشکار فرمایا۔

زمستانی ہوا میں گرچہ تھی شمشیر کی تیزی
نہ چھوٹے مجھ سے لندن میں بھی آدابِ سحر خیزی!

(بالِ جبریل ص ۴۰)

فی الجملہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس قدر قیمتی وقت میں بھی رسول اللہ ﷺ کے ہاں سیدنا علی علیہ السلام کے لیے کچھ لمحات مخصوص تھے۔ چنانچہ سیدنا علی علیہ السلام بطورِ تحدیث نعمت خود بیان فرماتے ہیں:

كَانَتْ لِي مَنْزِلَةٌ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ لَمْ تَكُنْ لِأَحَدٍ مِنَ الْخَلَائِقِ، فَكُنْتُ آتِيهِ كُلَّ سَحَرٍ.

"رسول اللہ ﷺ کے نزدیک میرا ایسا مقام تھا جو مخلوقات میں سے کسی کے لیے نہیں تھا۔ میں ہر روز تہجد کے وقت آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوتا تھا"۔(۱)

خیال رہے کہ حالتِ نماز میں بھی رسول اللہ ﷺ مولیٰ علی علیہ السلام کو اندر آنے کی اجازت مرحمت فرماتے تھے۔ اِس سلسلے میں متعدد احادیث اور اُن کی تشریح کے لیے راقم الحروف کی کتاب "شرح خصائص علي رضي الله عنه" میں حدیث نمبر ۱۱۱ سے ۱۱۵ ملاحظہ فرمائیں۔

---

(۱) السنن الكبرى للنسائي ج۲ ص۴۲ ح: ۱۱۳۸ وج۷ ص۴۵۰ ح: ۸۴۴۹، وط: ج۱ ص۳۶۰ ح:۱۱۳۷ وج۵ ص۴۵۱ ح:۵۰۲؛ السنن الصغرى للنسائي ج۳ ص۱۷ ح:۱۲۱۲؛ مسند البزار ج۳ ص۹۸ ح:۸۷۹؛ مشكاة ج۲ ص۵۰۶ ح:۶۱۰۶؛ جمع الجوامع ج۱۳ ص۲۵ ح:۵۴۹۴۔

فائدہ

میں نے غور وخوض کیا کہ ایسے خاص وقت میں فقط سیدنا علی علیہ السلام کے لیے ہی رسائی کیوں؟ بالآخر مجھے یہ بات سمجھ آئی کہ شاید مشیتِ الٰہی اس خاص وقت میں سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سید الاولیاء علیہ السلام کی روحانیت کو تقویت پہنچانا چاہتی تھی تا کہ مصطفوی روح سے مرتضوی روح فیض لیتی رہے، یعنی مرتضوی بیٹری چارج ہوتی رہے اور پھر اُن سے آگے دوسری روحانی بیٹریاں چارج ہوتی رہیں، اور یہی "وَعَلِيٌّ بَابُهَا" کی عملی تکمیل ہے۔ فی الجملہ یہ کہ جو قرب، منزلت اور ساعتیں علی المرتضیٰ علیہ السلام کے لیے مخصوص تھیں وہ در والوں اور گھر والوں میں سے دوسرے کسی انسان کو میسر نہیں آئیں۔ اگر آپ مذکور الصدر حدیث کے اِن الفاظ میں بار بار غور فرمائیں گے تو آپ پر یہ حقیقت روشن ہو جائے گی: "كَانَتْ لِي مَنْزِلَةٌ مِنْ رَّسُولِ اللّٰهِ ﷺ لَمْ تَكُنْ لِأَحَدٍ مِنَ الْخَلَائِقِ، فَكُنْتُ آتِيهِ كُلَّ سَحَرٍ".

بحکمِ الٰہی مصطفیٰ و مرتضیٰ علیہما السلام کی سرگوشی

بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا علی علیہ السلام کے لیے ایسے خاص فضل وکرم کے پیچھے منشاءِ ایزدی کارفرما تھا، کیونکہ جب بھی آقا کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زیادہ دِنوں کے لیے باہر رہنا پڑتا تو وہاں بھی آپ مولیٰ علیہ السلام کے ساتھ رازدارانہ طور پر ایسی سرگوشی فرماتے جس میں کوئی گھر والا شریک ہوسکتا اور نہ ہی کوئی در والا۔ چنانچہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

عَنْ جَابِرٍ قَالَ: دَعَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَلِيًّا يَوْمَ الطَّائِفِ فَانْتَجَاهُ، فَقَالَ النَّاسُ: لَقَدْ طَالَ نَجْوَاهُ مَعَ ابْنِ عَمِّهِ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: مَا انْتَجَيْتُهُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ انْتَجَاهُ.

''حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ طائف کے دن رسول اللہ ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بلا کر اُن سے سرگوشی فرمائی تو لوگ کہنے لگے: حضور ﷺ کی سرگوشی اپنے چچازاد کے ساتھ طویل ہوگئی، اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے اس کے ساتھ سرگوشی نہیں کی لیکن اللہ جل جلالہ نے اُس کے ساتھ سرگوشی فرمائی ہے''۔(۱)

خلاصہ یہ ہے کہ سیدنا علی علیہ السلام گھر والوں میں سے پھر اس قدر خاص تھے کہ اُن کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے ذریعے خود اللہ تعالیٰ سرگوشی فرماتا تھا۔

''گھر والے اور در والے'' عرفِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی روشنی میں

''گھر والے اور در والے'' یہ جہلاء یا رافضیوں کی شقاوت اور حماقت نہیں بلکہ یہ عند اللہ اور عند الناس ایسی حقیقت ہے جس کو جھٹلانا شقاوت، غباوت، غوایت اور ضلالت ہے۔ چنانچہ عرفِ عام ہے کہ جب کوئی شخص اپنے ساتھ کسی کے خاص شرافت و محبت پر مبنی تعلقات کا اظہار کرنا چاہتا ہے تو کہتا ہے: ''اُن کے ساتھ تو ہمارے فیملی تعلقات ہیں'' یعنی اُن کی اور ہماری گھر والی بات ہے، لہٰذا اندرونِ گھر اور بیرونِ گھر کے درمیان

---

(۱) جامع الترمذي ص۸٤۸ ح:۳۷۲٦؛ مسند أبي يعلیٰ ج۲ ص۳۲۳ ح:۲۱٦۰، وط: ج٤ ص۱۱۸ ح: ۲۱٦۳؛ جامع الأصول ج٦ ص۳۱۸، ۳۱۹؛ مصابیح السنة ج٤ ص۱۷٥ ح: ٤۷۷۳؛ أسد الغابة ج٤ ص۱۱٦؛ تاريخ دمشق ج٤۲ ص۳۱٦، ۳۱۷؛ مختصر تاريخ دمشق ج۱۷ ص۳۷۸؛ الرياض النضرة ج٤ ص۱٤٦؛ جمع الجوامع ج ۱٤ ص۲۲۱ ح:۱۰۲۸٥؛ جمع الفوائد ج۲ ص٤۰۸ ح:۸٦۹۱، وط: ج۳ ص٥۱۳ ح:۸٦۹۱؛ إزالة الخفاء ج٤ ص٤٦۲؛ در السحابة للشوكاني ص۲۰۲۔

فرق کی اہمیت کا انکار کرنا بے ذوقی ہی نہیں بلکہ حماقت ہے۔ آیئے! اِس فرق کو سمجھانے کے لیے ہم آپ کے سامنے عرفِ عام کے ساتھ ساتھ عرفِ صحابہ کرام ﷺ سے بھی ایک آدھ مثال پیش کیے دیتے ہیں۔ امام بخاری اور امام مسلم حضرت اسود بن یزید ؓ سے روایت کرتے ہیں کہ اُنہوں نے فرمایا:

سَمِعْتُ أَبَا مُوسَى الْأَشْعَرِيَّ ؓ يَقُولُ: قَدِمْتُ أَنَا وَأَخِي مِنَ الْيَمَنِ، فَمَكَثْنَا حِينًا، مَا نُرَى إِلَّا أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ مَسْعُودٍ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ بَيْتِ النَّبِيِّ ﷺ، لِمَا نَرَى مِنْ دُخُولِهِ وَدُخُولِ أُمِّهِ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ. وفي رواية: مِنْ كَثْرَةِ دُخُولِهِمْ وَلُزُومِهِمْ لَهُ ﷺ.

''میں نے حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ کو بیان کرتے ہوئے سنا، اُنہوں نے کہا: میں اور میرا بھائی یمن سے آئے تو ایک عرصہ ٹھہرے تھے۔ اُس عرصہ میں ہم ابن مسعود ؓ کو نبی کریم ﷺ کے اہل بیت سے سمجھتے رہے، اس لیے کہ ہم نے اُن کا اور اُن کی والدہ کا نبی کریم ﷺ کے گھر میں آنا جانا دیکھا تھا۔ ایک اور روایت میں ہے: اُن کے کثرت سے بارگاہِ نبوی ﷺ میں حاضر ہونے اور آپ کی خدمت میں رہنے کی وجہ سے''۔(۱)

---

(۱) بخاري: كتاب فضائل أصحاب النبي ﷺ، باب مناقب عبدالله بن مسعود ؓ ص ۵۱۱ ح: ۳۷۶۳، وكتاب المغازي، باب قدوم الأشعريين

دیکھئے! کاشانۂ نبوی ﷺ میں بکثرت آنا جانا دیکھ کر بعض صحابہ نے ابنِ مسعود اور اُن کی والدہ کو اہل بیت تصور کر لیا اور اِس بات کو اُن کی فضیلت سمجھا، یہی وجہ ہے کہ محدثین نے بھی اِس بات کو اُن کے فضائل میں شمار کیا ہے۔ اب آپ خود اندازہ کیجئے کہ جب کسی کا کاشانۂ نبوی ﷺ میں بکثرت آنا جانا دوسروں پر اُس کی فضیلت کا باعث بن گیا تو پھر جو ہستی کاشانۂ نبوی ﷺ کا بھی حصہ ہو، جسم نبوی ﷺ کا بھی حصہ ہو اور ﴿أَنْفُسَنَا وَأَنْفُسَكُمْ﴾ کا بھی مصداق ہو اُس کے رتبہ کا کیا عالم ہوگا؟ اور کیا ایسی ہستی پر کسی کو قیاس کیا جا سکتا ہے؟

سَلْمَانُ مِنَّا أَهْلُ الْبَيْتِ

"گھر والے اور در والے برابر نہیں" اِس پر یہ حدیث بھی دلالت کرتی ہے۔ غزوۂ خندق کے موقع پر جب خندق کھودنے کا آغاز ہوا، اور وہ سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ کے مشورہ پر کھودی جا رہی تھی، اُس دن مہاجرین وانصار رضی اللہ عنہم دونوں گروہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں دعویٰ کرنے لگے:

فَقَالَ الْمُهَاجِرُونَ: سَلْمَانُ مِنَّا ، وَقَالَتِ الْأَنْصَارُ: سَلْمَانُ مِنَّا ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: سَلْمَانُ مِنَّا أَهْلَ الْبَيْتِ.

"سو مہاجرین نے کہا: سلمان ہمارے ہیں، انصار نے کہا: سلمان ہمارے ہیں۔ اِس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سلمان ہم اہل بیت سے ہے"۔(۱)

---

(۱) المعجم الكبير ج٦ ص٢١٣ ح: ٦٠٤٠؛ الطبقات الكبرى لابن سعد ج٤ ص٧٦، ٧٧؛ المستدرك للحاكم ج٨ ص١٩٨ ح: ٦٦٨٤، ٦٦٨٦؛ معرفة الصحابة لأبي نعيم ج٣ ص١٣٢٩۔

سخت جرح کی گئی ہے، حتیٰ کہ بعض نے اُس کی طرف کذب کی نسبت بھی کر دی ہے، لیکن حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے:

أَفْرَطَ مَنْ نَسَبَهُ إِلَى الْكِذْبِ.

"جس نے اُس کی طرف کذب کی نسبت کی اُس نے زیادتی کی"۔(۱)

ذہبی نے بھی کذب کی نسبت کو تسلیم نہیں کیا، چنانچہ اُنہوں نے اِس حدیث کو موضوع کہنے سے پرہیز کیا اور کہا: اس کی سند ضعیف ہے۔ حافظ ہیثمی فرماتے ہیں: اِس کو جمہور نے ضعیف کہا ہے اور امام ترمذی نے اِس کی ایک حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔(۲)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے بھی یہی حقیقت ثابت ہے۔ چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ لوگوں نے اُن سے متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں دریافت کیا تو اُنہوں نے ہر ایک کے بارے میں مخصوص تعریفی جملہ ادا فرمایا اور جب حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے متعلق پوچھا تو ارشاد فرمایا:

أَدْرَکَ عِلْمَ الْأَوَّلَ وَالْعِلْمَ الْآخِرَ ، بَحْرٌ لَا يُدْرَکُ قَعْرُهُ ، وَهُوَ مِنَّا أَهْلَ الْبَيْتِ.

"اُنہوں نے پہلے علم کو پایا اور آخری علم کو بھی پایا، وہ ایسے سمندر ہیں جس کی گہرائی کو نہیں جانا جا سکتا اور وہ ہم اہل بیت سے ہیں"۔(۳)

---

(۱) تقریب التهذیب ص۸۰۸۔

(۲) مجمع الزوائد ج۱۳ ص۲۹۱ ح:۱۰۱۹۳۔

(۳) سیر أعلام النبلاء ج۲ ص۳۸۸؛ المعرفة والتاریخ ج۲ ص۵۴۰؛ المعجم الکبیر ج٦ ص۲۱۳، ۲۱٤ ح:٦۰٤۱، ٦۰٤۲؛ حلیة الأولیاء ج۱ ص۱۸۷۔

خود فیصلہ فرمایئے کہ سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا حکماً اہل بیت میں سے ہونا اُن کی دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر فضیلت کی دلیل ہے یا نہیں؟ اگر ہے اور یقیناً ہے تو جب حکماً اہل بیت میں سے ہونا باعثِ فضیلت ہے تو پھر حقیقۃً اہل بیت (گھر والوں) میں سے ہونا باعثِ فضیلت ہوگا یا نہیں؟ اگر ہوگا تو پھر حقائق کو تسلیم کیجئے اور "گھر والوں اور در والوں" میں فرق کے قائل ہو جایئے۔

گھر والوں کی اہمیت میں بعض احادیث کی تحقیق

آیئے اب ایسی احادیث میں غور کرتے ہیں جو "در والے اور گھر والے" مسئلہ میں واضح نص کی حیثیت رکھتی ہیں اور اُن احادیث سے واضح ہو جاتا ہے کہ اللہ عزوجل، جبریل علیہ السلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک بھی گھر والے اور در والے برابر نہیں ہیں، اور جو مقام علی المرتضیٰ علیہ السلام کا ہے وہ الف سے لے کر "ی" تک کسی بھی صحابی کو نصیب نہ ہو سکا۔ چنانچہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَفَّانُ بْنُ مُسْلِمٍ وَعَبْدُ الصَّمَدِ بْنُ عَبْدِ الْوَارِثِ، قَالَا: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: بَعَثَ النَّبِيُّ ﷺ بِبَرَاءَةَ مَعَ أَبِي بَكْرٍ، ثُمَّ دَعَاهُ، فَقَالَ: لَا يَنْبَغِي أَنْ يُبَلِّغَ هٰذَا إِلَّا رَجُلٌ مِنْ أَهْلِي، فَدَعَا عَلِيًّا فَأَعْطَاهُ إِيَّاهُ.

"سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سورۃ براءت کے ساتھ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو بھیجا پھر اُنہیں بلا لیا، پھر فرمایا:
مناسب نہیں ...

(تنسیخِ معاہدہ) عطا فرمایا"۔(۱)

بعض لوگوں نے اِس حدیث کو ضعیف قرار دینے کی ناکام کوشش کی ہے، اور چونکہ اِس حدیث میں سیدنا علیؓ کی خصوصیت مذکور ہے، اِس لیے اُن لوگوں کو خصوصاً اِس کے متن میں نکارۃ محسوس ہوئی ہے اور یہ ایسا اندرونی مرض ہے جس سے خوش نصیب لوگ ہی محفوظ رہ سکتے ہیں، أعاذنا الله تعالیٰ منه ،لیکن متعدد حضرات نے اِس حدیث کو حسن یا صحیح تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے اِس حدیث کو حسن کہا ہے، شیخ احمد زین نے ایک مقام پر حسن اور دوسرے مقام پر صحیح کہا ہے، شیخ محمد عوامہ نے اِس کو حسن تسلیم کیا ہے، شیخ ابو اسحاق الحوینی نے اِس کی سند کو صحیح کہا ہے، شیخ وصی اللہ نے اس کی ایک سند کو حسن اور دوسری کو صحیح کہا ہے، شیخ حسین سلیم اسد نے اس کی سند کو حسن تسلیم کیا ہے۔ بالترتیب ملاحظہ فرمایئے:(۲)

اِس مضمون کی اکثر احادیث کو امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے جمع فرمایا ہے، اُن سب

---

(۱) جامع الترمذي ج۵ ص۱۶۹ ح:۳۰۹۰؛صحيح سنن الترمذي للألباني ج۳ ص۲۴۵ ح:۳۰۹۰؛ السنن الكبرى للنسائي ج۷ص ۴۳۵ ح: ۸۴۰۶،وط: ج ۵ ص۱۲۸ ح: ۸۴۶۰۔

(۲) فتح الباري ج۱۰ ص۱۶۸ ح:٤٦٥٦؛المسند لأحمد بن حنبل بتحقيق أحمد زين ج۱۱ ص۱۱۸ ح:۱۳۱٤۷ وص ۳۳۰ ح:۱۳۹۵۲؛ المصنف لابن أبي شيبة بتحقيق محمد عوامة ج۱۷ ص۱۳۷ ح:۳۲۷۹۸؛ خصائص علي بتحقيق الحويني ص۸۲ ح:۷۲؛ فضائل الصحابة بتحقيق شيخ وصي الله، ج۲ ص٦۹٤ ح:۹٤٦ وص ۷۹۵ ح:۱۰۹۰؛مسند أبي يعلیٰ بتحقيق حسين سُلَيم أسد ج۵ ص۱۲، ٤۱۳ ح:۳۰۹۵۔

کی تشریح کے لیے راقم الحروف کی کتاب "شرح خصائص علي رضی اللہ عنہ" کا مطالعہ فرمایئے۔ نیز حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ایسی احادیث کو جمع فرما کر اُن کے مابین تطبیق دی ہے اور تشریح فرمائی ہے۔(۱)

بعض احادیث میں ہے کہ جب سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ واپس آئے تو عرض کیا:

يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ نَزَلَ فِيَّ شَيْءٌ ؟ قَالَ: لَا ، وَلٰكِنَّ جِبْرِيْلَ جَاءَنِيْ فَقَالَ: لَنْ يُّؤَدِّيَ عَنْكَ إِلَّا أَنْتَ أَوْ رَجُلٌ مِّنْكَ.

"یارسول اللہ! کیا میرے خلاف کوئی چیز نازل ہوئی ہے؟ فرمایا: نہیں، لیکن جبریل علیہ السلام میرے پاس آئے تو اُنہوں نے کہا: آپ کی ذمہ داری آپ ادا کریں گے یا آپ میں سے کوئی شخص"۔(۲)

اس حدیث کے ایک راوی محمد بن جابر سحیمی یمامی میں اختلاف ہے، تاہم میں نے تھذیب التھذیب میں اِن کے حالات پڑھے ہیں، اُس میں کسی نے اِن پر کذب یا وضع کی تہمت نہیں لگائی۔ نیز حافظ ہیثمی نے لکھا ہے:

"اِس میں ایک شخص محمد بن جابر السحیمی ہے اور وہ ضعیف ہے، تاہم اُس کی توثیق بھی کی گئی ہے"۔(۳)

---

(۱) فتح الباري ج۱۰ ص۱٦٤ ح:٤٦٥٦، ٤٦٥٧۔

(۲) فضائل الصحابة ج۲ ص۸۷٦ ح:۱۲۰۳؛ مسند أحمد ج۱ ص۱۵۱ ح:۱۲۹۷؛ زوائد عبدالله بن أحمد ص۳۵۳ ح:۱٤٦؛ مجمع الزوائد ج۷ ص۲۹؛ فتح الباري ج۱۰ ص۱٦۸ ح٤٦٥٦؛ عمدة القاري ج۱۸ ص۳۵٤؛ ذخائر العقبىٰ ج۱ ص۳۳٦۔

(۳) مجمع الزوائد ج۷ ص۲۹۔

کہا ہے۔(۱)

یہی وجہ ہے کہ حافظ رحمہ اللہ نے تقریب میں اِن کو صدوق کہا ہے۔(۱)

قابلِ غور بات یہ ہے کہ جو کچھ اِن کی روایت کردہ حدیث میں مذکور ہے وہی مفہوم اِس سے پہلی حدیث میں بھی مذکور ہے، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ نبی کریم ﷺ کوئی قدم اپنی خواہش سے نہیں اُٹھاتے تھے، لہٰذا اِس حدیث میں جبریل علیہ السلام کے حاضر ہونے کی بات خلافِ حق نہیں ہے۔ چنانچہ سیدنا علی علیہ السلام سے منقول ایک صحیح حدیث میں ہے کہ جب سیدنا علی علیہ السلام نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے حضور ﷺ کی تحریر واپس لی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کبیدہ خاطر ہو کر بارگاہِ نبوی ﷺ میں لوٹے اور عرض کیا:

يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَنَزَلَ فِيَّ شَيْءٌ ؟ قَالَ: لَا ، إِلَّا أَنِّي أُمِرْتُ أَنْ أُبَلِّغَهُ أَنَا ، أَوْ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ بَيْتِي.

''یارسول اللہ! کیا میرے بارے میں کچھ نازل ہوا ہے؟ فرمایا: نہیں مگر یہ کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ یہ میں خود پہنچاؤں یا میرے اہل بیت کا کوئی شخص پہنچائے''۔(۲)

شیخ ابواسحاق حوینی الاثری نے اِس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔(۳)

یہ حدیث خود حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بھی اِس سند ''حَدَّثَنَا وَكِيعٌ ، قَالَ: قَالَ إِسْرَائِيلُ: قَالَ أَبُوْ إِسْحَاقَ: عَنْ زَيْدِ بْنِ يُثَيْعٍ ، عَنْ أَبِي بَكْرٍ'' سے منقول ہے، اور اُس کے آخر میں ہے کہ جب وہ بارگاہِ نبوی ﷺ میں واپس حاضر ہوئے تو رو پڑے اور عرض کیا:

---

(۱) تقریب التہذیب ص ۸۳۱۔

آپ کے بارے میں خیر کے علاوہ کچھ ظاہر نہیں ہوا لیکن مجھے حکم دیا گیا ہے کہ یہ چیز میں خود پہنچاؤں یا مجھ میں سے کوئی شخص پہنچائے"۔(۱)

لَا یُؤَدِّيْ عَنِّيْ پر شیخ ابن تیمیہ وغیرہ کی زیادتی

حافظ ہیثمی نے بلا استثناء اِس حدیث کے تمام راویوں کو ثقہ مانا ہے، شیخ احمد شاکر نے لکھا ہے: اس کی سند صحیح ہے اور شیخ حسین سلیم اسد نے مسند ابی یعلیٰ کی تحقیق میں اِس کے رجال کو ثقہ کہا ہے لیکن مجمع الزوائد کی تحقیق میں لکھ دیا ہے: "هٰذَا حَدِيْثٌ مُّنْكَرٌ" (یہ حدیث منکر ہے) اور دلیل میں مشہور زائغ جورقانی، ابن تیمیہ اور ابن کثیر کی غیر معتدل آراء نقل کر دی ہیں۔ ایسا ہی شیخ شعیب الارنؤوط نے کر دیا ہے۔ اُنہوں نے ایک بات یہ بھی لکھی ہے:

> إِسْنَادُهُ ضَعِيْفٌ ، رِجَالُهُ ثِقَاتٌ رِجَالُ الشَّيْخَيْنِ غَيْرَ زَيْدِ بْنِ يُثَيْعٍ.
>
> "اس کی سند ضعیف ہے، اس کے راوی ثقہ ہیں اور شیخین کے راوی ہیں ماسوا زید بن یثیع کے"۔

اِن دونوں حضرات (شیخ حسین سلیم اَسد اور شیخ الارنؤوط) کا یہ لکھنا خلافِ حق ہے۔ وہ کیسے؟ اِس کی تفصیل شیخ ابن تیمیہ کے اُس کلام کے بعد آ رہی ہے جس کو اِن دونوں

---

(۱) مسند أحمد بتحقيق أحمد شاكر ج۱ ص۱۶۸ ح:۴؛ مسند أبي يعلىٰ ج۱ ص۱۰۰ ح:۱۰۴؛ مجمع الزوائد ج۳ ص۲۳۸، ۲۳۹۔

حضرات نے بھی نقل کیا ہے۔ شیخ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

وَكَذٰلِكَ قَوْلُهُ "لَا يُؤَدِّي عَنِّي إِلَّا عَلِيٌّ" مِنَ الْكِذْبِ، وَقَالَ الْخَطَّابِيُّ فِي كِتَابِ "شِعَارُ الدِّيْنِ" وَقَوْلُهُ "لَا يُؤَدِّي عَنِّي إِلَّا رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ بَيْتِي" هُوَ شَيْءٌ جَاءَ بِهِ أَهْلُ الْكُوْفَةِ عَنْ زَيْدِ بْنِ يُثَيْعٍ، وَهُوَ مُتَّهَمٌ فِي الرِّوَايَةِ مَنْسُوبٌ إِلَى الرَّفْضِ.

وَعَامَةُ مَنْ بَلَّغَ عَنْهُ غَيْرُ أَهْلِ بَيْتِهٖ، فَقَدْ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ أَسْعَدَ بْنِ زُرَارَةَ إِلَى الْمَدِيْنَةِ يَدْعُو النَّاسَ إِلَى الْإِسْلَامِ، وَيُعَلِّمُ الْأَنْصَارَ الْقُرْآنَ وَيُفَقِّهُهُمْ فِي الدِّيْنِ. وَبَعَثَ الْعُلَاءَ بْنَ الْحَضْرَمِيَّ إِلَى الْبَحْرَيْنِ فِي مِثْلِ ذٰلِكَ، وَبَعَثَ مُعَاذًا وَأَبَا مُوْسٰى إِلَى الْيَمَنِ، وَبَعَثَ عَتَّابَ بْنَ أُسَيْدٍ إِلَى مَكَّةَ. فَأَيْنَ قَوْلُ مَنْ زَعَمَ أَنَّهُ لَا يُبَلِّغُ عَنْهُ إِلَّا رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ بَيْتِهٖ؟

''اسی طرح حدیث "لَا يُؤَدِّي عَنِّي إِلَّا عَلِيٌّ" (میری طرف سے نہیں ادا کرے گا مگر علی) جھوٹ ہے۔ خطابی نے اپنی کتاب "شعار الدین" میں کہا ہے کہ حضور ﷺ کا قول "لَا يُؤَدِّي عَنِّي إِلَّا رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ بَيْتِي" (میری ذمہ داری ادا نہیں کرے گا مگر میرے اہل بیت سے کوئی شخص) یہ ایسی چیز ہے جس کو کوفی لوگ زید بن یثیع

غیر اہل بیت تھے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اسعد بن زرارہ کو مدینہ منورہ کی طرف بھیجا تا کہ وہ لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں، انصار کو قرآن سکھائیں اور اُنہیں دین سمجھائیں۔ اسی طرح علاء حضرمی کو بحرین کی طرف بھیجا، معاذ بن جبل اور ابوموسیٰ اشعری کو یمن کی طرف بھیجا اور عتاب بن اسید کو مکہ کی طرف بھیجا۔ پھر اُس شخص کا قول کہاں گیا جس نے کہا: ''حضور ﷺ سے آپ کے اہل بیت کے سوا کسی نے تبلیغ نہیں کی''۔(۱)

شیخ ابن تیمیہ وغیرہ کی زیادتی کا تعاقب

شیخ ابن تیمیہ کی مذکور الصدر عبارت کم از کم چھ وجوہ سے باطل ہے:

ہر چند کہ شیخ ابن تیمیہ نے یہ بات علامہ خطابی کے حوالہ سے ذکر کی ہے لیکن علامہ خطابی کی کتاب ''شعار الدین'' کائنات میں مطبوع یا مخطوط موجود ہی نہیں ہے، ممکن ہے شیخ کے دور تک موجود ہو، تاہم چونکہ ''نقل را عقل باید'' (نقل کے لیے عقل چاہیے) اور چونکہ شیخ نے عقل استعمال نہیں کی اِس لیے ہم سطورِ ذیل میں اپنی تردید کا نشانہ اُن ہی کو بنائیں گے۔

شیخ ابن تیمیہ کی کذب بیانی

شیخ ابن تیمیہ کی پہلی زیادتی یہ ہے کہ اُنہوں نے حدیث ''لَا يُؤَدِّي عَنِّي إِلَّا عَلِيٌّ'' کو کذب کہا ہے۔ اُن کا یہ قول باطل، مردود اور جھوٹ ہے۔ دراصل اُنہوں نے اپنی کتاب ''منهاج السنة النبوية في نقض كلام الشيعة القدرية'' میں طریقہ

---

(۱) منهاج السنة ج ۵ ص ٦٣۔

ہی یہ رکھا ہے کہ بلا دلیل کسی حدیث کو مسترد کر دیتے ہیں اور رعب ڈالنے کے لیے کہہ دیتے ہیں: "هٰذَا حَدِيثٌ مَوْضُوعٌ عِنْدَ أَهْلِ الْمَعْرِفَةِ بِالْحَدِيثِ" (یہ حدیث اہل معرفت محدثین کے نزدیک جعلی ہے) اُنہوں نے مشہور و متواتر حدیث "مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ" پر بھی اسی طرح ہاتھ صاف کیے، لیکن اُن کے اِس بے ڈھنگے انداز کو اُن کے تلامذہ سے لے کر دورِ حاضر تک کے محققین نے مسترد کر دیا ہے۔ مثلاً امام ذہبی، حافظ ابن کثیر، حافظ ابن حجر عسقلانی، ناصر الدین البانی، شیخ ابو اسحاق الحوینی، دکتور منیر دانی اور شیخ وصی اللہ وغیرہ۔ تفصیل کے لیے ہماری کتاب "شرح خصائص علي رضی اللہ عنہ" میں حدیث نمبر ۸۵ کی تشریح ملاحظہ فرمائیے۔

زیر بحث حدیث "لَا يُؤَدِّي عَنِّي إِلَّا عَلِيٌّ" کے بارے میں بھی اُن کا وہی بھونڈا انداز ہے، اِس حدیث کو کذب کہنا بجائے خود کذب ہے، کیونکہ یہ حدیث اکثر محدثین کے نزدیک صحیح اور بعض کے نزدیک حسن ہے۔ امام ترمذی نے اِس کو حسن، غریب اور صحیح کہا ہے اور البانی نے حسن تسلیم کیا ہے۔ (۱)

محی السنہ امام بغوی اور خطیب تبریزی نے اِس حدیث کو "مناقب علي بن أبي طالب رضی اللہ عنہ" کی دوسری فصل میں درج کیا ہے اور اُس فصل میں یہ دونوں حضرات احادیث حسنہ درج فرماتے ہیں۔ امام بغوی تو باقاعدہ اُن پر "مِنَ الْحِسَانِ" کا عنوان

---

(۱) سنن الترمذي بتحقيق الألباني ص ۸۴۳ ح: ۳۷۱۹؛ سنن ابن ماجه بتحقيق الألباني ص ۳۷ ح: ۱۱۹؛ صحيح الترمذي للألباني ج ۳ ص ۵۲۲ ح: ۳۷۱۹؛ مشكاة بتحقيق الألباني ج ۳ ص ۱۷۲۰ ح: ۶۰۸۳؛ سلسلة الأحاديث الصحيحة للألباني ج ۴ ص ۶۳۱، ۶۳۳ ح: ۱۹۸۰؛ ظلال الجنة في تخريج كتاب السنة للألباني ص ۵۶۶ ح: ۱۱۸۹۔

إِسْنَادُهُ حَسَنٌ ، صَحِيْحٌ لِغَيْرِهٖ.

”اس کی سند حسن ہے، متابع کے ساتھ صحیح ہے“۔(٤)

حدیث پر جرح کرنے میں شیخ احمد میرین بلوشی متشدد واقع ہوئے ہیں لیکن اُنہوں نے بھی اِس حدیث کی سند کو ایک مقام پر حسن تسلیم کیا ہے اور دوسرے مقام پر لکھا ہے کہ اس کے تمام راوی ثقہ ہیں ماسوا اس کے کہ ابواسحاق کا حافظہ آخری عمر میں درست نہیں رہا تھا اور محدث شریک نے اُن سے حافظہ کی کمزوری سے قبل بھی سماعت کیا ہے اور بعد میں بھی۔(٥)

شیخ بلوشی نے محدث ابواسحاق سبیعی کے حافظہ کے بارے میں جو نقل کیا ہے وہ

---

(١) مصابيح السنة ج٤ ص١٧٢ ح:٤٧٦٨؛ مشكاة بتحقيق الألباني ج٣ ص١٧٢٠ ح:٦٠٨٣۔

(٢) المصنف لابن أبي شيبة بتحقيق ناصر بن سعد الشثري ج١٨ ص٥٧ ح:٣٤٢٤٢۔

(٣) مسند أحمد بتحقيق حمزة أحمد الزين ج١٣ ص٣٩٤ ح:١٧٤٣٥،

امانت کے منافی ہے، کیونکہ اُن کے اختلاط (عقل کے خراب ہونے) پر کوئی اتفاق نہیں ہے۔ چنانچہ حافظ ذہبی لکھتے ہیں:

عَمْرُو بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ أَبُو إِسْحَاق السَّبِيْعِيُّ، مِنْ أَئِمَّةِ التَّابِعِيْنَ بِالْكُوفَةِ وَأَثْبَاتِهِمْ، إِلَّا أَنَّهُ شَاخَ وَنَسِيَ وَلَمْ يَخْتَلِطْ، وَقَدْ سَمِعَ مِنْهُ سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، وَقَدْ تَغَيَّرَ قَلِيْلًا.

"عمرو بن عبداللہ ابواسحاق سبیعی کوفہ کے ائمہ تابعین اور مضبوط راویوں میں سے ہیں مگر بوڑھے ہوگئے تھے، بھول گئے تھے اور اختلاط کا شکار نہیں ہوئے تھے، اُن سے سفیان بن عیینہ نے سماعت کی ہے اور اُن کا حافظہ تھوڑا سا متاثر ہوا تھا"۔(۱)

ڈاکٹر بشار عواد معروف اور شیخ شعیب الأرنؤوط نے اختلاط کے قول کو غیر جید قرار دینے کے بعد لکھا ہے:

"سفیان بن عیینہ نے اُن سے اُن کے بڑھاپے میں سنا ہے، لہٰذا اُن کی روایت اُن سے مناسب نہیں ہے اور یہی وجہ ہے کہ شیخین نے اِس طریقہ سے اُن سے کچھ روایت نہیں کیا"۔(۲)

یعنی یوں تو ابواسحاق سبیعی شیخین (بخاری و مسلم) کے راوی ہیں لیکن محدث سفیان بن عیینہ کی سند سے صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں اُن سے کوئی روایت نہیں لی گئی۔ یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ جن احادیث کی سند ہمارے زیرِ بحث ہے اُس میں محدث سفیان بن عیینہ کا نام نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شیخ ابواسحاق الحوینی نے لکھا ہے: اس حدیث

---

(۱) میزان الاعتدال ج۵ ص۲۳۶۔

(۲) تحریر تقریب التہذیب ج۳ ص۹۹۔

کی سند صحیح ہے۔(۱)

معلوم ہوا کہ یہ حدیث حسن ہے اور شواہد و متابع کے ساتھ صحیح ہے، لہٰذا ابن تیمیہ کا اس کے کذب کا قول کرنا مردود، باطل اور کذب ہے۔

شیخ ابن تیمیہ کا زید بن یثیع پر کذب کا بہتان

دوسری بات شیخ ابن تیمیہ نے یہ لکھی ہے کہ زید بن یثیع "مُتَّهَم فِی الرِّوَایَة" (روایت میں تہمت زدہ) ہے۔ کتبِ اصول حدیث کے مطابق جب کسی راوی کے بارے میں یہ لفظ بولا جائے تو اُس سے مراد ہوتا ہے "مُتَّهَمٌ بِالْكِذْبِ" (جس پر کذب کا الزام ہو) یا "مُتَّهَمٌ بِالْوَضْعِ" (جس پر حدیث گھڑنے کا الزام ہو) سیدنا زید بن یثیع رضی اللہ عنہ نہ صرف یہ کہ اِن دونوں عیبوں سے پاک تھے بلکہ کسی نے اُن پر کبھی یہ الزام لگانے کی جسارت ہی نہیں کی۔

شیخ ابن تیمیہ کا زید بن یثیع پر رفض کا بہتان

شیخ ابن تیمیہ نے حضرت زید بن یثیع رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایک بات یہ بھی لکھی ہے: "مَنْسُوْبٌ إِلَى الرَّفْضِ" (اُن کی طرف رفض کی نسبت کی گئی ہے) یہ بھی نرا جھوٹ ہے۔ کسی نے بھی اُنہیں رافضی نہیں کہا اور نہ ہی کسی نے ضعیف لکھا ہے۔ آیئے! اُن کی توثیق میں نامور محدثین کا کلام ملاحظہ فرمایئے۔

مشہور محدث ابوالحسین احمد بن عبداللہ العجلی الطرابلسی متوفّٰی ۲۶۱ھ نے اِن کے تعارف میں فقط اتنا لکھا ہے:

زَيْدُ بْنُ يُثَيْعٍ: كُوفِيٌّ ، ثِقَةٌ تَابِعِيٌّ.

---

(۱) کتاب الحلي بتخريج خصائص علي للحويني ص ۸۲ ح: ۷۱۔

"زید بن یثیع: کوفی ہیں، ثقہ ہیں، تابعی ہیں"۔(۱)

محدث ابن حبان نے بھی ان کو ثقات میں ذکر کیا ہے۔(۲)

محدث ذہبی لکھتے ہیں:

زَيْدُ بْنُ يُثَيْعٍ ، عَنْ أَبِي بَكْرٍ ، وَأَبِي ذَرٍّ ، وَعَنْهُ أَبُو إِسْحَاق فَقَطْ ، وُثِّقَ.

"زید بن یثیع نے حضرات ابوبکر وابوذر ؓ سے روایت کیا ہے اور اُن سے فقط ابو اسحاق نے روایت کیا ہے، اُن کی توثیق کی گئی ہے"۔(۳)

محدث ابو الحجاج مزی، ذہبی، حافظ مغلطائی اور ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے:

"اُنہوں نے سیدنا حذیفہ بن یمان، علی بن ابی طالب، ابوبکر صدیق اور ابوذر غفاری ؓ سے روایت کیا ہے، اور اُن سے ابو اسحاق سبیعی نے روایت کیا ہے، کسی اور نے روایت نہیں کیا۔ ابن حبان نے ان کو ثقات میں ذکر کیا ہے۔ مؤخر الذکر دو حضرات نے لکھا ہے: محدث عجلی نے بھی اُنہیں ثقہ کہا ہے"۔(۴)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے تہذیب التہذیب کے خلاصہ میں لکھا ہے:

---

(۱) معرفة الثقات للعجلي ج۱ ص ۳۸۰؛ تاريخ الثقات للعجلي ص ۱۷۲۔

(۲) تقريب الثقات ص ٤٩٤۔

(۳) الكاشف للذهبي ج۱ ص ٤١٩۔

(٤) تهذيب الكمال ج ۱۰ ص ۱۱٦، ۱۱۷؛ تذهيب تهذيب الكمال للذهبي ج۳ ص ۲٦۲؛ تهذيب التهذيب ج۳ ص ٥٦۱؛ إكمال تهذيب الكمال للمغلطائي ج٥ ص ۱۷٤۔

''زید بن یثیع ہمدانی کوفی ثقہ ہیں اور مخضرم (۱) ہیں''۔(۲)

حافظ مغلطائی نے لکھا ہے:

''ابوعبداللہ بن خلفون نے بھی اُنہیں ثقات میں شمار کیا ہے''۔(۳)

علماء اسماء الرجال میں سے کسی نے بھی سیدنا زید بن یثیع ؓ کی طرف رفض کی نسبت نہیں کی، لیکن ابن تیمیہ کو شیعہ کی پیش کردہ حدیث کی تردید میں سہولت اسی میں نظر آئی کہ وہ اُس حدیث کے راوی کو رافضی قرار دے دیں تاکہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔ ہر دور میں خصائص مرتضوی بیان کرنے والے شخص کے خلاف نام نہاد سنیوں کے پاس یہ ہتھیار تیار ہوتا ہے۔ اندازہ لگایئے! حیاتِ نبوی ﷺ میں مشرف بہ اسلام ہونے والا اور سیدنا ابوبکر صدیق ؓ سے حدیث روایت کرنے والا شخص بھی رفض کی تہمت سے محفوظ نہیں رہ سکا تو پھر ماوشما کا کیا پوچھنا؟

شیخ ابن تیمیہ کی بے خبری

شیخ ابن تیمیہ نے حدیث ''لَا یُؤَدِّي عَنِّي إِلَّا عَلِيٌّ'' نقل کر کے پوری بحث میں سیدنا زید بن یثیع ؓ کو رگڑا لگاتے رہے، حالانکہ حضرت زید بن یثیع ؓ اِس حدیث کے راوی ہی نہیں ہیں۔ یہ حدیث ابو اسحاق سبیعی نے حضرت حبشی بن جنادہ سلولی ؓ سے روایت کی ہے، لہٰذا علامہ ابن تیمیہ، شیخ شعیب الارنؤوط اور شیخ حسین سلیم اسد کو ابو اسحاق السبیعی پر بھڑاس نکالنا چاہیے تھی۔ افسوس! مجرم اگر کوئی تھا بھی تو کوئی اور تھا لیکن

---

(۱) محدثین کی اصطلاح میں ''مُخضرَم'' اُس شخص کو کہا جاتا ہے جس کو نبی کریم ﷺ کی حیات میں دولتِ اسلام تو نصیب ہو چکی تھی لیکن وہ آپ سے ملاقات نہیں کر سکا تھا۔

(۲) تقریب التهذیب ص ۳۵٦۔

(۳) إكمال تهذيب الكمال للمغلطائي ج ٥ ص ١٧٥۔

اِن تینوں حضرات نے دھاوا کسی اور پر بول دیا۔ یہاں یہ خیال بھی رہے کہ اِس معاملہ میں شیخ ابن تیمیہ وغیرہ سے زیادہ مجرم آج کل کے محققین ہیں، کیونکہ دورِ حاضر میں قدیم وجدید تمام کتب بہ آسانی دستیاب ہیں اور اصل مصادر تک مراجعت بہت آسان ہے، اِس لیے ہمارے معاصرین کا آنکھیں بند کر کے شیخ ابن تیمیہ کی عبارت کو نقل کر دینا غفلت کے زمرہ میں نہیں آتا بلکہ خیانت کے زمرہ میں آتا ہے۔

شیخ ابن تیمیہ کی مغالطہ آفرینی

زیر بحث احادیث میں تنسیخِ معاہدہ کی بات ہو رہی ہے، عرب کا دستور یہ تھا کہ ایسے معاہدہ کو منسوخ کرنا ہوتا یا اُس کی مدت پوری ہو جانے پر آئندہ کے لائحہ عمل سے فریقِ مخالف کو آگاہ کرنا ہوتا تو اُس کے لیے ضروری سمجھا جاتا تھا کہ یا تو وہ شخص خود آئے جس نے معاہدہ کیا تھا یا اُس کا خاص رشتہ دار آئے۔ علامہ ابن تیمیہ اتنے سادہ آدمی نہیں تھے کہ وہ اِن احادیث کی مراد کو سمجھنے سے قاصر رہتے لیکن تردیدِ مخالف میں اُن سے اِس قدر شتابی ہو جاتی تھی کہ وہ سب کچھ بھول جاتے تھے۔ ہم اپنی کتب میں کئی بار امام سبکی اور حافظ ابن حجر عسقلانی کا یہ تبصرہ نقل کر چکے ہیں کہ ابن تیمیہ تردیدِ روافض میں تنقیص مرتضوی کے مرتکب ہو گئے اور بہت سی صحیح احادیث پر ہاتھ صاف کر گئے۔ جب وہ حالتِ غصہ میں تردیدِ روافض میں مستغرق ہوتے تو لکھتے چلے جاتے اور مثبت وصواب پر مبنی پہلو اُن سے اوجھل ہو جاتے۔ یہاں (اپنی کتاب کی پانچویں جلد میں) بھی وہ ایسی ہی صورتِ حال سے دوچار ہوئے ہیں، جبکہ آگے اپنی اسی کتاب کی ساتویں جلد میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پیچھے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بھیجے جانے کی حکمت اُنہوں نے خود بیان کی ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

وَإِنَّمَا أَرْدَفَهُ لِيَنْبِذَ الْعَهْدَ إِلَى الْعَرَبِ ، فَإِنَّهُ كَانَ مِنْ

عَادَتِهِمْ أَنْ لَا يَعْقِدَ الْعُقُوْدَ وَيَنْبِذَهَا إِلَّا السَّيِّدُ الْمُطَاعُ، أَوْ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ بَيْتِهِ. فَلَمْ يَكُونُوا يَقْبَلُونَ نَقْضَ الْعُهُوْدِ إِلَّا مِنْ رَجُلٍ مِنْ أَهْلِ بَيْتِ النَّبِيِّ ﷺ.

''نبی کریم ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو تو اُن کے پیچھے فقط اس لیے بھیجا تھا تاکہ وہ عرب سے معاہدہ ختم کریں، کیونکہ عرب کی عادت تھی کہ وہ معاہدے کرنے اور توڑنے کا معاملہ قوم کے معتبر سردار یا اُس کے گھر کے فرد سے کرتے تھے۔ پس اُنہوں نے معاہدہ ختم کرنے کو قبول نہیں کرنا تھا جب تک کہ نبی کریم ﷺ کے اہل بیت کا کوئی شخص نہ ہوتا''۔(۱)

گھر والوں کی ناگزیریت

ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ اِن احادیث میں تنسیخِ معاہدہ کے لیے ہی سیدنا علی علیہ السلام کو بھیجا گیا، اور ہم دینِ اسلام کے اوامر ونواہی کے تبلیغی معاملہ کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ خاص نہیں سمجھتے۔ دینِ اسلام کا ابلاغ اہل بیت اور غیر اہل دونوں کرتے تھے مگر مشکل اور حساس معاملات کو حل کرنے کے لیے اہل بیت کو ہی منتخب کیا جاتا تھا۔ اِس اعلانِ براءت کے لیے بھی نبی کریم ﷺ کو حکم دیا گیا تھا کہ آپ خود جائیں یا اہل بیت کا کوئی فرد جائے، جیسا کہ گذشتہ دو حدیثوں میں لفظ ''اُمِرْتُ'' (مجھے حکم دیا گیا ہے) سے ظاہر ہے۔ پیچھے ایک حدیث ایسی بھی گذر چکی ہے جس میں ہے کہ جبریل علیہ السلام نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ آپ خود جائیں یا آپ کے گھر کا کوئی فرد جائے، تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اِس کام کو یا تو میں خود کروں گا یا علی۔ بعض احادیث میں تو یہاں تک آیا ہے کہ نبی کریم ﷺ

---

(۱) منہاج السنة ج ۷ ص ۳۳۶۔

نے اُس کام کے لیے خود کو یا سیدنا علی علیہ السلام کو ناگزیر سمجھا۔ چنانچہ امام احمد لکھتے ہیں:

عَنْ حَنَشٍ ، عَنْ عَلِيٍّ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ حِيْنَ بَعَثَهُ بِبَرَاءَ ةَ فَقَالَ: يَا نَبِيَّ اللّٰهِ ! إِنِّيْ لَسْتُ بِاللَّسِنِ وَلَا بِالْخَطِيْبِ ، قَالَ: مَا بُدٌّ أَنْ يَذْهَبَ بِهَا أَنَا أَوْتَذْهَبَ بِهَا أَنْتَ. قَالَ : فَإِنْ كَانَ لَابُدَّ ، فَسَأَذْهَبُ أَنَا ، قَالَ: فَانْطَلِقْ فَإِنَّ اللّٰهَ يُثَبِّتُ لِسَانَكَ وَيَهْدِيْ قَلْبَكَ ، ثُمَّ وَضَعَ يَدَهُ عَلٰى فَمِهِ.

''حضرت حنش رضی اللہ عنہ سیدنا علی علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب اُنہیں سورۃ البراءۃ دے کر بھیجا تو اُنہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! نہ تو میں فصیح و بلیغ ہوں اور نہ ہی خطیب۔ فرمایا: ''یہ بات ناگزیر ہے کہ یا تو اِس اعلان کے ساتھ مجھے جانا ہوگا یا آپ کو'' عرض کیا: اگر ناگزیر ہے تو میں چلا جاتا ہوں۔ فرمایا: تو پھر جاؤ! بے شک اللہ عزوجل تمہاری زبان کو ثابت رکھے گا اور تمہارا سینے کو کھول دے گا، پھر آپ نے اُن کے دہن اقدس پر اپنا مبارک ہاتھ رکھا''۔

اس حدیث کو شیخ احمد شاکر نے صحیح کہا ہے، جبکہ شیخ وصی اللہ بن محمد عباس اور دکتور عامر حسن صبری نے حسن مانا ہے۔(۱)

اور وہ شیخ شعیب الارنؤوط جنہیں اِس مفہوم کی ایک حدیث کے متن میں نکارت

---

(۱) مسند أحمد بتحقيق شيخ أحمد شاكر ج٢ ص١٣٢، ١٣٣ ح: ١٢٨٦؛فضائل الصحابة ج١ ص ٨٧٤ ح:١٢٠١؛زوائد عبد الله بن أحمد بتحقيق الدكتور عامر حسن صبري ص ٣٥٥ ح:١٤٧؛صحيح ابن حبان بتحقيق شعيب الأرنؤوط ج١١ ص٥١ ح:٥٠٦٥۔

محسوس ہوئی تھی اُنہوں نے بھی اس حدیث کو حسن تسلیم کیا ہے۔(۱)

اسی طرح اسلام کی پہلی جنگ میں بھی کفار نے غیر اہل بیت کو بطور مد مقابل قبول نہیں کیا تھا تو گھر والوں کا ہی جانا ناگزیر ہو گیا تھا۔ چنانچہ سیدنا حمزہ بن عبد المطلب، سیدنا علی بن ابی طالب اور سیدنا عبیدہ بن حارث ﷺ گئے تھے۔ اسی طرح اِس سے قبل شعب ابی طالب ﷺ میں بھی ایک عظیم اور مشکل ترین کرب و آزمائش سے بھی گھر والے ہی دو چار رہے۔ سیدنا سعد بن ابی وقاص ﷺ جو حضور اکرم ﷺ کے ننھیالی رشتہ دار تھے اور حضور اُنہیں اپنا ماموں فرماتے تھے، اُنہوں نے بھی شعب ابی طالب ﷺ میں ساتھ دیا تھا۔ اِس سے معلوم ہوا کہ بعض کاموں کے لیے گھر والے ہی ناگزیر ہوتے ہیں۔(۲)

انتخابِ الٰہی اور گھر والے

گھر والوں کی مخصوص اہمیت کا انکار نہیں کیا جا سکتا، چنانچہ اسلام میں بہت سے پیچیدہ معاملات و مقامات ایسے آئے جو در والوں سے حل نہ ہو سکے تو گھر والوں سے حل کرائے گئے۔ مثلاً غزوۂ خیبر کی فتح کے لیے پہلے در والے حضرات میں سے جو سب سے زیادہ نمایاں شخصیات تھیں اُنہیں بھیجا گیا تھا مگر وہ فتح حاصل کیے بغیر لوٹ آئے تھے، تفصیل کے لیے "شرح خصائص علي ﷺ" کی حدیث نمبر ۱۳، ۱۴ وغیرہ کی شرح دیکھیں۔ پھر گھر والوں میں سے ایک شخص کو بھیجا گیا تو اُس کے ہاتھوں پر اللہ تعالیٰ نے فتح عطا فرمادی تھی۔ اِس کو سعودیہ کے ایک عالم دین نے اہل بیت (گھر والوں)

---

(۱) مسند أحمد بتحقیق الأرنؤوط ج۲ ص ۴۲۳، ۴۲۴ ح: ۱۲۸۷۔

(۲) شعب ابی طالب میں ساتھ دینے نہ دینے کے حوالے سے ایک دلچسپ تبصرہ ہماری کتاب "شرح کتاب الأربعین في فضائل آل البیت الطاهرین" میں حدیث نمبر ۳۱ کی تشریح ضرور ملاحظہ فرمائیں۔ صفحہ ۲۸۱، ۲۸۴۔

کے لیے ذخیرۂ الٰہی قرار دیتے ہوئے لکھا ہے:

فِيهِ أَنَّ اللّٰهَ تَعَالىٰ قَدْ يَدْخَرُ لِبَعْضِ آلِ الْبَيْتِ مِنَ النَّصْرِ وَالْفَتْحِ وَالْهِدَايَةِ مَا لَا يَدْخَرُ لِغَيْرِهِمْ.

''اس حدیث میں دلیل ہے کہ بسا اوقات اللہ تعالیٰ بعض اہل بیت کرام (گھر والوں) کے لیے فتح و نصرت اور ہدایت کو ایسی شان سے ذخیرہ رکھتا ہے کہ دوسروں کے لیے اس طرح ذخیرہ نہیں رکھتا''۔(۱)

سو جب اللہ تعالیٰ نے أهل البيت (گھر والوں) کو زیادہ اور مخصوص مقام دیا ہے تو لوگوں کو کیا حق حاصل ہے کہ وہ اُس کے معاملات پر چیں بہ جبیں ہوں۔ اُس کی مرضی وہ جس کو جتنا چاہے اور جس طرح چاہے نواز دے۔ وہ ارشاد فرماتا ہے:

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَتَعَالىٰ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ. [القصص:٦٨]

''اور آپ کا رب پیدا فرماتا ہے جو چاہتا ہے اور منتخب کرتا ہے (جسے چاہتا ہے) نہیں ہے اُنہیں کچھ اختیار، اللہ تعالیٰ پاک و برتر ہے اُس سے جو وہ شرک کرتے ہیں''۔

گھر والے، در والے اور آسمانی فیصلے

آج اگر گھر والوں کو در والوں سے ممتاز کہنے پر کوئی چڑتا ہے تو یہ اُس کی بدقسمتی ہے، لیکن اُس کے چڑنے کی وجہ سے حقائق بدلے جاسکتے ہیں اور نہ ہی چھوڑے جاسکتے ہیں۔ گھر والوں کو در والوں پر فوقیت و فضیلت کے فیصلے آسمانوں میں ہو چکے ہیں۔ چنانچہ

''سیدنا محمد بن عمر بن علی رضی اللہ عنہ اپنے والد گرامی سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں نے جعفر طیار رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ جنت میں اُڑ رہے تھے اور اُن کے قدموں سے خون بہہ رہا تھا، اور میں نے دیکھا کہ زید رضی اللہ عنہ جعفر رضی اللہ عنہ سے نیچے نیچے اُڑ رہے تھے۔ میں نے کہا: میرا نہیں خیال تھا کہ زید رضی اللہ عنہ جعفر رضی اللہ عنہ سے کم ہوں گے۔ اس پر جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کیا:

إِنَّ زَيْداً لَيْسَ بِدُوْنِ جَعْفَرَ وَلٰكِنَّا فَضَّلْنَا جَعْفَراً لِقَرَابَتِهٖ مِنْكَ.

''بلاشبہ زید رضی اللہ عنہ جعفر طیار رضی اللہ عنہ سے کم نہیں تھے لیکن ہم نے فضیلت دی جعفر رضی اللہ عنہ کو اُس قرابت کی خاطر جو اُن کی آپ کے ساتھ ہے''۔(۱)

جبریل امین علیہ السلام کا کہنا: ''فَضَّلْنَا جَعْفَراً'' (ہم نے فضیلت دی جعفر کو) اِس ''ہم'' میں جبریل امین علیہ السلام کے ساتھ اور کون ہیں؟ لازماً دوسرے فرشتے ہوں گے، اور کوئی فرشتہ مشیتِ الٰہی کے بغیر تو کچھ نہیں کر سکتا تو لامحالہ ماننا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ بھی ساتھ ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے فرشتوں کے نزدیک 'گھر والے اور در والے برابر نہیں۔ اگر کسی کے نزدیک درجِ بالا حدیث شریف کی سند کمزور ہو تو اُسے چاہیئے کہ وہ یہاں بخاری شریف کی حدیث نمبر[۱۰۱۰] کو بھی شامل کر لے۔ اُس میں مذکور ہے کہ جب قحط پڑتا تو خلیفۂ ثانی رضی اللہ عنہ سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے وسیلے

---

(۱) الطبقات الكبرىٰ لابن سعد ج٤ ص٣٣٨، وط: ج٤ ص٢٨، وط: ج٤ ص٣٥؛ المستدرك للحاكم ج٣ ص٢٠٩ وط: ج٤ ص٢٢٠ ح: ٤٩٩١؛ فتاوى رضوية ج٢٣ ص٢٣٦ و ج٣٠ ص٦٢٦۔

سے دعا مانگتے تو بارش نازل ہو جاتی۔ اِس حدیث کو شامل کرنے سے جہاں سیدنا جعفر طیار بن ابی طالب ؓ کی شان میں وارد شدہ مذکور الصدر حدیث شریف کا مضمون بے غبار ہو جائے گا وہیں یہ حقیقت بھی واضح ہو جائے گی کہ آسمانوں میں گھر والوں اور در والوں کی قدر و منزلت برابر نہیں ہے۔ اعمال خواہ دونوں فریق کے برابر ہوں مگر قدر و منزلت میں دونوں برابر نہیں ہیں۔ یہ ایسی حقیقت ہے جس کو در والے بھی سمجھتے تھے مگر ناصبی کو کبھی سمجھ نہیں آئے گی۔

گھر والوں کے لیے نرالے فیصلے

لوگ ہدایت یافتہ اور انعام یافتہ تب قرار پاتے ہیں جب وہ مسلسل استقامت کے ساتھ صراطِ مستقیم پر چلتے رہیں اور ایمان کے تقاضوں کو مکمل نبھائیں لیکن گھر والوں کے لیے اللہ کے ہاں نرالا دستور ہے کہ اُس نے چھ سات سال کے غیر مکلف بچوں کو کسی قسم کے عمل سے قبل ہی ہدایت یافتہ اور انعام یافتہ قرار دے دیا اور جنت کا سردار بھی بنا دیا۔ غور فرما کر بتلائیے کہ ایسی کوئی اور نظیر ہے کہ کسی غیر نبی انسان کے لیے ریاضت و مجاہدہ، اعمالِ حسنہ اور مالی و جانی قربانی سے پہلے ہدایت یافتہ اور انعام یافتہ ہونے کا اعلان کیا گیا ہو۔ یاد رکھئے گا! ریاضت و مجاہدہ اور اعمالِ صالحہ کے بعد کی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں مگر اعمالِ صالحہ سے پہلے کی نہیں۔

در والوں سے پوچھئے گھر والوں کا رتبہ

متعدد علماء اہل سنت نے لکھا ہے کہ سیدنا عمر ؓ نے امامین حسنین کریمین علیہما السلام کا وظیفہ اہل بدر کے برابر مقرر کیا، حالانکہ اِن دونوں اماموں کی پیدائش بھی بدر کے بعد ہوئی ہے۔ اِس کی وجہ فقط یہ بتائی:

لِقَرَابَتِهِمَا بِرَسُوْلِ اللّٰهِ.

علیہما السلام کی بارگاہ میں ایک ایک ہزار درہم پیش کیے اور اپنے بیٹے ع
اللہ کو پانچ سو درہم عطا فرمائے۔ اِس پر حضرت عبد اللہ ﷛ نے عرض
کیا: امیر المؤمنین! میں ایک گھبرو جوان تھا اور رسول اللہ ﷺ کے
آگے آگے جہاد میں تلوار چلاتا تھا جبکہ حسین و حسین اُس وقت بچے
اور مدینہ کی گلیوں میں کھیلتے تھے، آپ نے اُنہیں ایک ایک ہزار اور
فقط پانچ سو دیا؟ سیدنا عمر ﷛ نے فرمایا: ہاں، جا پہلے تو اُن دونوں
ابا کی طرح ابا، اُن دونوں کی ماں کی طرح ماں اور اُن دونوں کے نا
طرح اپنا نانا لے آ...... پس تو یقیناً نہیں لا سکے گا"۔(۲)

سیدنا عمر ﷛ کی اِس تقسیم پر پہلے میرے ذہن میں بخاری شریف
آئی جس میں تین مزدوروں کا ذکر ہے اور اُسے ہم پہلے نقل کر چکے ہیں، لیکن
آیا کہ تیسرے مزدور کو بے شک ڈبل سے بھی زیادہ دیا گیا لیکن اُس نے پھ
کام تو کیا تھا، جبکہ حسنین کریمین علیہما السلام نے تو اُس خدمت سے قبل کو
کیا۔ پھر اچانک یاد آیا کہ سیدنا عمر ﷛ نے سنتِ الٰہیہ پر عمل کیا ہے، کیونکہ اُ

بھی تو کچھ کرنے سے قبل ہی اِن دونوں بچوں کو جوانانِ اہل جنت کا سردار بنایا ہے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اِس طرزِ عمل سے یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ خواہ کسی در والے کی ریاضت وعبادت کتنا ہی بلند اور زیادہ کیوں نہ ہو مگر اُن کے نزدیک گھر والے اور در والے برابر نہیں تھے۔ پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے کہ سابقہ امتوں میں سے کسی امتی کی ریاضت وعبادت خواہ کتنا ہی زیادہ کیوں نہ ہو مگر وہ امت محمدیہ کے کسی مومن کے برابر نہیں ہو سکتا۔

جب ہماری ایک شب اُن کے ہزار ماہ سے بہتر ہے تو کیسی برابری اور کیسا مفاضلہ؟

أَنْتَ عِنْدِيْ مِثْلُهٗ؟

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا ایک اور واقعہ سنئے۔ امام ابن الجوزی لکھتے ہیں:

''یحییٰ بن سعید بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا امام حسین علیہ السلام کو عرض کیا کہ وہ بعض کاموں کے لیے اُن کے ہاں کسی وقت تشریف لائیں۔ امام پاک فرماتے ہیں: میں گیا تو دروازہ پر مجھے عبداللہ بن عمر ملے۔ میں نے پوچھا: کدھر سے آ رہے ہو؟ اُنہوں نے کہا: امیر المؤمنین کے ہاں جانا چاہتا تھا لیکن اجازت نہیں ملی، یہ سن کر امام پاک بھی واپس چلے گئے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بعد میں پوچھا: کیا ہوا کہ آپ میرے پاس تشریف نہ لائے؟ امام پاک نے فرمایا: میں آیا تھا لیکن مجھے معلوم ہوا کہ عبداللہ بن عمر کو اجازت نہیں ملی تو میں بھی لوٹ گیا تھا۔

فَقَالَ عُمَرُ: وَأَنْتَ عِنْدِيْ مِثْلُهٗ؟ وَأَنْتَ عِنْدِيْ مِثْلُهٗ؟ وَهَلْ أَنْبَتَ الشَّعْرَ عَلَى الرَّأْسِ غَيْرُكُمْ؟

مانند ہیں، اور کیا آپ میرے نزدیک اُس کی مثل ہیں؟ ہمیں یہ عظمت

آپ لوگوں کے سوا کس نے دی ہے؟"۔(۱)

اِس سے بھی معلوم ہوا کہ در والے حضرات میں سے خواہ کوئی کتنا ہی بڑا مجاہد اور زاہد و عابد کیوں نہ ہو، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک وہ گھر والوں کی مثل نہیں ہو سکتا۔ کیوں؟ وجہ آخر میں خود ہی بتادی کہ ہمیں جو عظمت و مرتبہ ملا ہے اہل بیت ہی کی بدولت ملا ہے۔

اِنْزِلْ عَنْ مَجْلِسِ أَبِي

"گھر والے اور در والے برابر نہیں" اِس کا واضح ثبوت درجِ ذیل دو واقعات میں بھی موجود ہے۔ پہلا واقعہ خلیفۂ اول سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ہے اور دوسرا خلیفۂ ثانی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا ہے۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"امام ابو نعیم اور دوسرے محدثین کرام نے روایت کیا ہے کہ سیدنا امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور اُس وقت وہ منبر نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جلوہ افروز تھے۔ امام حسن علیہ السلام نے فرمایا: ہمارے بابا کے بیٹھنے کی جگہ سے اتر جایئے، اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: آپ نے سچ فرمایا ہے، بے شک یہ آپ کے بابا کی بیٹھک ہے، اور پھر اُنہیں اپنی آغوش میں بٹھایا اور رو پڑے۔ اس صورتِ حال پر سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: خدا کی قسم یہ بات میری طرف سے نہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: آپ نے سچ

---

(۱) تاریخ عمر بن الخطاب لابن الجوزي طبعة قديم ۱۸۷؛ تاريخ دمشق ج۱٤ ص۱۷۵؛ مختصر تاريخ دمشق ج۷ ص۱۲٦؛ أخبار عمر وأخبار عبد الله بن عمر رضی اللہ عنہ ص۳۱۹، ۳۲۰۔

فرمایا ہے، ہم آپ پر شک نہیں کرتے"۔(۱)

اِنْزِلْ عَنْ مِنبَرِأَبِي

ایسا واقعہ امام حسین علیہ السلام سے بھی مشہور ہے، اُنہوں نے ایسی بات خلیفۂ ثانی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو فرمائی تھی۔ چنانچہ امام ذہبی نے صحیح سند کے ساتھ لکھا ہے:

حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ: حَدَّثَنَا يَحْيىٰ بْنُ سَعِيدِ الأَنْصَارِيُّ، عَنْ عُبَيْدِ بْنِ حُنَيْنٍ، عَنِ الْحُسَيْنِ، قَالَ: صَعِدْتُ الْمِنبَرَ إِلىٰ عُمَرَ، فَقُلْتُ: اِنْزِلْ عَنْ مِنبَرِ أَبِي، وَاذْهَبْ إِلىٰ مِنبَرِ أَبِيكَ. فَقَالَ: إِنَّ أَبِي لَمْ يَكُنْ لَهُ مِنبَرٌ، فَأَقْعَدَنِي مَعَهُ، فَلَمَّا نَزَلَ، قَالَ: أَيْ بُنَيَّ! مَنْ عَلَّمَكَ هٰذَا؟ قُلْتُ: مَا عَلَّمَنِيهِ أَحَدٌ. قَالَ: أَيْ بُنَيَّ! وَهَلْ أَنْبَتَ عَلىٰ رُؤُوسِنَا الشَّعْرَ إِلَّا اللّٰهُ ثُمَّ أَنْتُمْ! وَوَضَعَ يَدَهُ عَلىٰ رَأْسِهِ.

"حضرت عبید بن حنین حضرت امام حسین علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: میں منبر پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف گیا اور کہا: میرے منبر سے اتر جایئے اور اپنے باپ کے منبر پر چلے جایئے! اُنہوں نے عرض کیا: میرے باپ کا تو کوئی منبر نہیں تھا، پھر مجھے اپنے ساتھ بٹھالیا، پھر جب نیچے اترے تو پوچھا: بیٹے! یہ بات آپ کو کس نے

---

(۱) تاریخ الخلفاء ص٦٧؛ تاریخ دمشق ج٣٠ ص٣٠٧؛ مختصر تاریخ دمشق ج١٣ ص٩٩؛ جواهر العقدين للسمهودي ص٣٧٨؛ كنز العمال ج٥ ص٦١٦ ح:١٤٠٨٥ وج١٣ ص٦٥٤ ح:٣٧٦٦٢؛ رشفة الصادي ص١٥٤؛ الصواعق المحرقة ص٤٩٢۔

حافظ ابن حجر عسقلانی اور امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہما نے بھی اس واقعہ کی سند کو صحیح کہا ہے۔(۲)

یہ ہے گھر والوں اور در والوں میں واضح فرق، لیکن اِس فرق کا لحاظ فقط راشدین کے نزدیک تھا، غیر راشدین کو تو اِن قدسی صفت ہستیوں کا زمین پر وجود ہی ناگوار تھا۔ فَاللّٰهُ أَعْلَمُ وَأَعْدَلُ ﴿وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ﴾

حرفِ آخر

گھر والوں اور در والوں کے درمیان فرق کو سمجھنے کے لیے آخر میں ہم آپ کو زحمت دینا چاہیں گے کہ پہلے تو آپ نبی کریم ﷺ کی خاندانی عظمت کا اندازہ لگانے کے لیے سیدنا جبریل علیہ السلام کے اُس عالم گیر مشاہدہ میں غور فرمائیں جو اُنہوں نے روئے

---

(۱) سیر أعلام النبلاء ج۳ ص ۲۸۵؛ تاریخ بغداد ج۱ ص ۱۵۱، ۱۵۲؛ تاریخ دمشق ج۱٤ ص ۱۷٦ و ج۳۰ ص ۳۰۷؛ مختصر تاریخ دمشق ج۷ ص ۱۲۷؛ التحفة اللطيفة للسخاوي ج۱ ص ۲۹۵؛ جواهر العقدين للسمهودي ص ۳۷۸، ۳۷۹؛ الصواعق المحرقة ص ٤۹۲؛ رشفة الصادي ص ۱۵۵؛ علموا أولادكم محبة آل بيت النبي ص ۱۳۷۔

(۲) الإصابة ج۲ ص ٦۹؛ تاريخ الخلفاء، دار المنهاج، ص ۲۵۳، و ط: دار ابن حزم ص ۱۱٦

زمین کے خاندانوں کا تقابل بیان کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ اُنہیں بنو ہاشم کے خاندان سے افضل کوئی خاندان نہیں ملا۔ پھر مختلف الفاظ میں منقول اُن ارشاداتِ نبویہ ﷺ میں غور فرمائیں کہ آقا نے فرمایا "یہ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں" "فاطمہ میرے جگر یا جسم کا ٹکڑا ہے، ظاہر ہے کہ بعض وجوہ سے جو جزو کا حکم ہے وہی کل کا حکم ہے۔ عصر حاضر میں تو اِس مسئلہ کو سمجھنا مشکل نہیں ہے، کیونکہ آج جسم سے تھوڑا سا خون لے کر پورے جسم کے بارے میں طے کیا جاتا ہے کہ وہ جسم کتنا بیمار ہے اور کتنا نہیں اور کیسی بیماری ہے اور اس کا کیا علاج ہے؟

پھر یہ تو اُسی جسم کے تجزیہ کی بات ہے جس کا وہ خون تھا جبکہ DNA سے تو پورے خاندان کی شناخت ہو جاتی ہے، مسائل حل ہوتے ہیں اور پیچیدگیاں آسان ہوتی ہیں۔ اب مجھے اُن احادیث کی سمجھ آرہی ہے کہ آخر نبی کریم ﷺ زور دے کر کیوں فرماتے تھے کہ "میں سفاح [زنا] سے پیدا نہیں ہوا بلکہ ہمیشہ نکاح سے پیدا ہوا"۔ یہ حکمت بھی اب سمجھ آرہی ہے کہ بنو ہاشم کو زنا سے اتنی نفرت کیوں تھی، اور یہ بات بھی ابھی سمجھ آئی ہے کہ بعض صحابہ غصہ میں آکر بعض بنوامیہ کو بنو الزرقاء کیوں کہتے تھے۔ الغرض اگر اور بھی نہیں آپ فقط DNA کی جزئیات میں غور و فکر کر کے خاندانِ نبوی ﷺ کی عظمت میں غور فرمائیں گے تو آپ یہ سمجھنے اور کہنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ "گھر والے اور در والے برابر نہیں ہیں" یہاں آخر میں ایک قریشی اور ہاشمی کا مکالمہ پیش کرتا ہوں ذرا اُس میں بھی غور فرمالیں۔ امام ابو محمد القاسم بن ثابت السر قسطی متوفی ۳۰۲ھ لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ سیدنا عباس بن عبد المطلب اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ گفتگو کر رہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زبان پر یہ الفاظ جاری ہو گئے:

عَلٰی رِسْلِکُمْ یَا بَنِیْ هَاشِمٍ اِفَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ مِنَّا وَمِنْکُمْ،

فَقَالَ لَهُ الْعَبَّاسُ: اَمَا زَعْمُکَ یَا عُمَرُ! اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ مِنَّا

وَمِنْكُمْ ، فَإِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ مِنْ شَجَرَةٍ ، نَحْنُ أَغْصَانُهَا ، وَأَنْتُمْ جِيْرَانُهَا.

"اے بنو ہاشم! ذرا سکون سے رہو، رسول اللہ ﷺ ہم سے بھی ہیں اور تم سے بھی، اس پر سیدنا عباس ؓ نے فرمایا: اے عمر! تمہارا یہ خیال ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہم سے بھی ہیں اور تم سے بھی، تو سنو! رسول اللہ ﷺ ایک درخت سے ہیں، ہم اُس درخت کی شاخیں ہیں اور تم اُس درخت کے پڑوسی ہو"۔(۱)

جب قریشی اور ہاشمی میں اِس قدر فرق ہے تو پھر جو ہوں ہی بیت نبوی بلکہ جسم نبوی ﷺ کا حصہ اور جن کو قرآن ﴿أَنْفُسَنَا﴾ فرمائے اور جس علی کو سید العالمین ﷺ "لَحْمُهُ لَحْمِي، دَمُهُ دَمِي" اور "كَنَفْسِي" فرمائیں اُس پر کسی کو کیونکر قیاس کیا جاسکتا ہے؟ خلاصہ یہ ہے کہ گھر والوں اور در والوں میں کسی قسم کا مفاضلہ اور موازنہ بنتا ہی نہیں، جیسا کہ پہلے لکھا جاچکا ہے "لَا يُقَاسُ بِهِمْ أَحَدٌ" (اُن پر کسی کو قیاس نہیں کیا جاسکتا) وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ.

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

---

(۱) کتاب الدلائل في غريب الحديث ج۲ ص ۱۷۳۔

فہرست مضامین

چند خصوصیات:

- مکمل عربی متن مع سند
- سابقہ عربی طبعات کی غلطیوں کی اصلاح
- ہر حدیث کی مکمل تخریج وتشریح
- سند کے لحاظ سے علماء اصولِ حدیث سے ہر حدیث پر حکم
- ہر حدیث پر وارد ہونے والے تمام اعتراضات کا متین جواب
- مصنف (امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ) کے قائم فرمودہ عنوانات کی روشنی میں خصوصیاتِ مرتضوی
- متن میں مذکور پنجتن پاک رضی اللہ عنہم کا تعارف اور ان کے اہم فضائل وخصائص
- جدید وقدیم تمام ناصبی اعتراضات کا انتہائی علمی اور مہذب رد
- علماء ومشائخِ اہلِ سنت دامت برکاتہم کی گرانقدر تقریظات
- پانچ سو سے زائد ماخذ ومراجع (کتابیات) کی فہرست مع سنہ طباعت اور مطبع وغیرہ
- صفحات (1150) گیارہ سو پچاس
- مکمل بیروتی طرزِ طباعت وبائنڈنگ اور امپورٹڈ کاغذ۔